قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا اِکہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

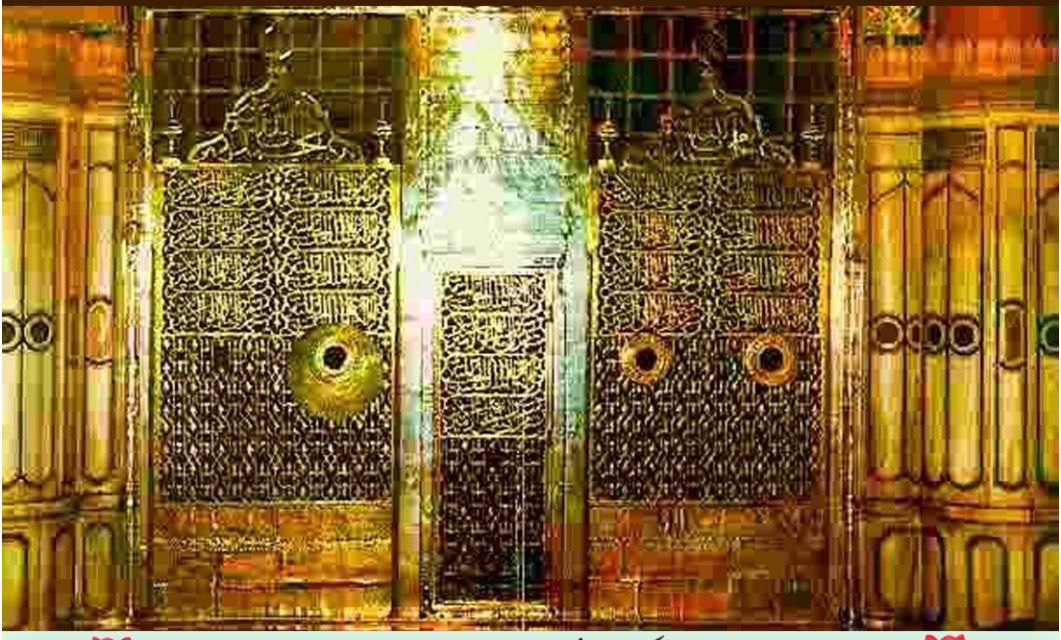
لاہور

جنوری 2014ء

www.toluislam.com

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O



هر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.67
ISSUE
1

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com



اے روحِ محمد! صلی اللہ علیہ وسلم

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر! اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد اس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے!
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ! آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے!

(علامہ اقبالؔ)

جلد 67 شمارہ نمبر 1 جنوری 2014ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے اسباب اور ہم	ادارہ	3
صبحِ بہار (ماخوذ از ''معراجِ انسانیت'')	غلام احمد پرویز	6
مذہبی پیشوائیت	ملک منظور حسین لیل	13
اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ	کاشف راز	21
نظریۂ ارتقاء	راجہ عبدالعزیز	27
اکثریت قرآن کی طرف کیوں نہیں آتی؟	ڈاکٹر اعجاز رسول	38
قصاص کا قرآنی مفہوم (لغات القرآن سے ماخوذ)		45

ENGLISH SECTION

Surah Al-Muddaththir – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 20 Translated by: Dr. Mansoor Alam 50

دفتر کا پتہ B-25 گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546، 042-35764484

E-mail: idara@toluislam.com

انتظامیہ

ناشر وقائم مقام چیئرمین محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِتعاون

پاکستان میں 40 روپے فی پرچہ

سالانہ -/450 روپے

بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر

3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ

برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8 1c

لمعات

خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے اسباب اور ہم

خلافتِ عثمانیہ مسلمانوں کی آخری عظیم الشان سلطنت تھی جو 1299ء سے پھیلنا شروع ہوئی اور 1923ء تک سمٹ کر صرف ترکی حکومت تک رہ گئی۔ بیسویں صدی کے آغاز سے قبل یہ دنیا کی واحد سپر پاور کہلاتی تھی۔ یہ سلطنت تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یوروپ کے اہم ترین علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی سرحدیں ایشیا میں بحیرۂ کیسپین کے مغربی ممالک جارجیا۔ آرمینیا سے لے کر یوروپ میں بحیرہ ایڈریاٹک کے مشرقی ساحل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یوروپ ہی میں جنوبی روس کے اکثر علاقوں کے علاوہ بلغاریہ، رومانیہ، ٹرانسلوانیا، ہنگری، سربیا، بوسینیا، البانیہ اور کروشیا تک اس کی سرحدوں میں شامل تھے۔ ایشیا میں موجودہ ترکی کے علاوہ عراق کا اکثر حصہ، کویت، خلیج فارس کے مغربی ساحلی علاقے شام، اردن، فلسطین، حجاز، یمن اور افریقہ میں مصر، لیبیاء، ٹیونس، الجزائر اور مراکش کوہ اطلس تک کے علاقے ان کے زیرِ حکمرانی تھے۔ آخر یہ سلطنت زوال آشنا ہوئی اور آج ترکی حکومت کے علاوہ اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔

جن لوگوں کی انسانی تاریخ اور اقوام عالم کے عروج و زوال پر گہری نظر ہے، انہوں نے اس عظیم الشان سلطنت کے زوال وھبوط کے اسباب کا جائزہ لیا ہے[1] اور مندرجہ ذیل وجوہات کی نشاندہی کی ہے:۔

داخلی اسباب

1- افراطِ زر، جس میں اس سستی چاندی نے شدت پیدا کر دی جو ملک پیرو سے ملی اور جسے جینوا اور راگوسا کے تاجروں نے سلطنت میں پھیلایا اور اس کے سبب سے اشیائے خوراک کی قیمتوں میں تین گنا اضافہ ہوا۔

2- بڑھتے ہوئے علاقائی اور زمینی محصولوں میں تدریجی اضافوں کی وصولی میں ناکامیاں۔

3- اناطولیہ میں آبادی کے کثیر اضافہ کے بعد لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں سے امن عامہ کا نقص اور عوام میں عدم تحفظ کا احساس۔

---

1 خصوصاً دیکھئے تاریخ محمدؐ مصنفہ ایم ڈی فاروق مطبوعہ 2000ء اور The Decline and Fall of the Ottoman Empire by Alan Palmer (1992).

4- کئی کثیر آبادی والے شہروں میں تباہ کن آتشزدگی کے اثرات۔

5- جنگوں کے آغاز اور جاری رکھنے میں بے لچک پرانے طریقوں کا استعمال اور مفتوحہ علاقوں کا خراب نظم ونسق۔

6- 1536ء کے بعد ان معاہدات کی مشروط اطاعت جن کے مطابق سلطنتِ عثمانیہ میں رہائش پذیر یوروپی باشندوں کو خصوصی قانونی حقوق اور محصول چونگی کے نرخوں میں مراعات حاصل تھیں۔ اس چیز نے اس امر کو یقینی بنایا کہ فائدہ مند تجارتی پیشے روز افزوں بیرونی ہاتھوں میں منتقل ہوتے چلے گئے۔

7- تخت نشینی پر شہزادوں میں جنگ جس میں خواتینِ حرم کا بھی بڑا ہاتھ رہا۔ کامیاب ہونے والا دوسرے بھائیوں اور دعویداروں کو مروا دیتا تھا یا وہ بھاگ کر غیر ممالک چلے جاتے اور سلطنت کے خلاف سازشیں کرتے۔

8- مذہبی پیشواؤں اور ان کے اداروں کی حکومت میں نازیبا مداخلت جس کے سبب 1612ء سے 1922ء تک سیاسی مخالفین کے ایماء پر 21 خلیفوں میں سے 13، مفتیٔ اعظم کے فتویٰ سے برطرف کئے گئے۔ مذہبی پیشواؤں کی طرف سے جدید علوم اور ایجادات کی عدم پزیرائی کے سبب سلطنت زمانہ کے جدید تقاضوں سے عہدہ برانہ ہوسکی۔

9- رینی چری فوج اصل میں مملکت کی سرحدوں کی محافظ تھی۔ لیکن اس کے سالار امورِ مملکت کے مختار بن گئے۔ جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جسے چاہتے اتار دیتے۔ اس امر سے سازشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

10- سادگی، جفاکشی اور ثابت قدمی کے رویے کمزور پڑ گئے اور عمائدین حکومت اور سرمایہ دار طبقوں میں عیش پرستی کا رجحان اور مجاہدانہ کردار کا بحران پیدا ہوگیا۔ سلطان یا خلیفہ پالیسی سازی کا کام بھی خود سرانجام نہ دیتا تھا بلکہ عملی امور سلطنت، وزیراعظم یا دوسرے عہدیداروں کے ذمہ ڈال دیتا تھا جو زوال کا سبب بنا۔

خارجی اسباب

11- یوروپ کی اتحادی حکومتوں، خصوصاً روس، فرانس، اٹلی، برطانیہ اور یونان نے عثمانیہ سلطنت کے خلاف سازشوں سے اکثر خود مسلمانوں کے ہاتھوں بغاوت کرائی اور انہیں تحفظ فراہم کیا۔

1862ء میں مصر کے گورنر محمد علی پاشا نے انگریزوں کی مدد سے خودمختاری کا اعلان کر دیا اور عملاً انگریز مصر پر قابض ہو گئے۔ فرانس نے الجزائر پر قبضہ کرلیا۔ بوسینیا اور البانیہ میں بغاوتیں ہوگئیں۔ یونان نے روس اور انگریز کی مدد سے آزادی کا

اعلان کر دیا۔ 1878ء میں برلن میں پرنس بسمارک کی زیرِ صدارت کانفرنس میں یورپ کی بڑی طاقتوں نے ایک معاہدہ کے مطابق بلغاریہ، سرویا، رومانیہ اور مونٹی نیگرو کو ترکی کی قبضہ سے آزاد کر دیا اور آسٹریا کو بوسنیا میں عمل دخل کا حق دے دیا۔ 1907 میں روس، برطانیہ اور فرانس نے سلطنتِ ترکی کے حصوں بخروں کا فیصلہ کیا۔ بلغاریہ نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ آسٹریا نے ہرزیگووینا پر قبضہ کر لیا۔ اٹلی نے طرابلس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ 1914ء کی جنگ عظیم میں انگریزوں نے عراق، موصل، فلسطین اور بیت المقدس ہتھیا لئے۔ شام اور حلب پر فرانس قابض ہو گیا۔ سمرنا اور تھیرس یونان کو ملے۔ جزیرہ نمائے عرب میں گورنر مکہ شریف حسین سے بغاوت کرا کے اسے حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ یوں ایک عظیم سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے۔

قرآن کریم نے ایک مثال سے یہ بات سمجھائی ہے:۔

''اس دنیاوی زندگی کی مثال یوں سمجھو جیسے ہم نے بادلوں سے مینہ برسایا اور زمین کی روئیدگی، جو انسانوں کے لئے خوراک اور مویشیوں کے لئے چارہ کا کام دیتی ہے، اس سے مل کر (بڑھی، پھولی اور اس کی شگفتگی اور شادابی کا یہ عالم ہو گیا گویا) زمین نے رنگا رنگ پھولوں کے گہنے پہن رکھے ہیں اور تزئین و آرائش سے دُلہن بن گئی ہے۔ اور کھیتی والوں نے سمجھ لیا کہ اب تمام فصلیں ہمارے قبضہ میں آ چکی ہیں، کہ اتنے میں، رات یا دن کے کسی ایک حصے میں، ہمارے قانون کی ایک گردش آئی تو اس سے وہ لہلہاتی فصلیں یوں، کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گئیں گویا کل ان کا یہاں نام و نشان بھی نہ تھا۔ ہم (اس قسم کی مثالوں سے) اپنے قوانین کی وضاحت کر دیتے ہیں لیکن اس سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو غور و فکر سے کام لیں''۔ (مفہوم القرآن آیت 10:24)

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت کے آخری حصہ کو دوبارہ دیکھیں۔ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ یہ غور و فکر کس بات پر؟ کہ خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں جلی الفاظ کو توجہ کا مرکز بنائیں اور

باز بخویشتن نگر

پھر اپنے اور مملکت خداداد پاکستان کے حالات کا تجزیہ کریں کہ آنے والا کل ہمارے دروازے پر کس قسم کی دستک دے رہا ہے۔ ابھی سنبھلنے کا وقت ہے۔ دشمنوں کے دامہائے ہم رنگِ زمین کو پہچانئے اور ان کے بچھائے ہوئے جالوں سے بچ نکلنے کا سامان کیجئے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (59:2)

☆.....☆.....☆

غلام احمد پرویز
(ماخوذ از ''معراجِ انسانیت'')

صبحِ بہار

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی
جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی

جب زمین گرمی کی شدت سے تمتما اٹھتی ہے۔ تمازتِ آفتاب اس کی رگ رگ سے نمِ زندگی چوس لیتی ہے۔ آسمان کی شعلہ ریزیاں ساری فضا کو دہکتا ہوا انگارہ بنا دیتی ہیں۔ بادِ سموم کی ہلاکت سامانیاں تازگی و شگفتگی کی ہر نمود کو جھلس ڈالتی ہیں پھول مرجھا جاتے ہیں۔ شگوفوں کی گردن کے منکے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لالہ کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ پتیاں سوکھ جاتی ہیں۔ شاخیں پژمردہ ہو جاتی ہیں۔ لہلہاتی کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ سرو و صنوبر آتشدانِ ارضی کے دودکش دکھائی دیتے ہیں۔ تابندہ چشمے دیدۂ کور کی طرح بے نور ہو جاتے ہیں۔ مرمریں ندیاں خطِ تقدیرِ محکوماں کی طرح بے آب رہ جاتی ہیں۔ لُو کی دہشت سے سارے کانپتے ہیں۔ راستے ہانپتے ہیں۔ خنکی غاروں میں منہ چھپا لیتی ہے۔ ٹھنڈک سہم کر کنوؤں میں جا دبکتی ہے۔ وفورِ تپش سے سینۂ کائنات میں سانس رکنے لگتی ہے۔ جنگل کے جانور آسمانی شعلوں کی لپیٹ سے کہیں پناہ نہیں پاتے۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں نرم و نازک زبانیں نکالے نڈھال ہو کر پڑ جاتے ہیں۔ طائرِ نگاہ تک بھی کاشانۂ چشم میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ انسان، زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے مایوس ہو جاتا ہے۔ سوختہ بخت کسان کھیت کے کنارے کھڑا للچائی ہوئی نظروں سے آسمان کی طرف تکتا ہے کہ کہیں سے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان دکھائی دے لیکن اس کی خاسر و نامراد نگاہیں، حسرت بن کر اس کے ویرانۂ قلب میں لوٹ آتی ہیں اس طرح جب حیاتِ ارضی کے کسی گوشے میں بھی امید کی نمی باقی نہیں رہتی اور بساطِ کائنات کے کسی کونے میں بھی زندگی کی کوئی تازگی دکھائی نہیں دیتی تو یاس و ناامیدی کے اس انتہائی عالم میں مبداء فیض کی کرم گستری سے سحابِ رحمت کسان کی آنکھوں کا نور بن کر فضائے آسمانی پر چھا جاتا ہے اور اپنی جواہر پاشیوں اور گہر ریزیوں سے دامنِ ارض کو بھر پور کر دیتا ہے۔ زمینِ مردہ میں پھر سے زندگی آجاتی ہے۔ رگِ کائنات میں نبضِ حیات پھر سے متموج ہو جاتی ہے۔ فضا کے سینے میں رُکی ہوئی سانس پھر سے زندگی کی جوئے رواں بن جاتی ہے چشموں کی خشک آنکھیں شرابِ زندگی کے چھلکتے ہوئے جامِ نور بن جاتی ہیں۔ ندیوں کی بے آب لکیریں، بادۂ جاں فزا کی مسیحا نفسی سے رگِ جان میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سہمی ہوئی خنکیاں غاروں سے نکل کر فضاؤں پر چھا جاتی ہیں۔ دبکی ہوئی برودتیں، کنوؤں کی تہوں سے اچھل کر بساطِ ارض پر پھیل جاتی ہیں۔ خشک پتیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں میں از سرِ نو تازگی و شگفتگی آجاتی ہے۔ شگوفے چٹکتے ہیں، کلیاں مہکتی ہیں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس و لطیف جھونکے سرسبز و شاداب درختوں کی شاخوں میں لچک اور پھولوں میں یوں جنبش پیدا

کر دیتے ہیں گویا بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں۔ ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیاتِ تازہ، جھومتی مسکراتی، مچلتی، لوٹتی، ایک ایسی جنتِ نگاہ بن جاتی ہے جس کی ہر روش میں مسرتوں کے چشمے اُبلتے اور ہر تختے میں قہقہوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (42:28)

اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحابِ کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساطِ رحمت کو صفحہء ارض پر بچھا دیتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (7:57)

اسی کی ذات ہے جو (زمین کے جھلس جانے کے بعد) ان ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کو بھیجتی ہے جو اس کے ابرِ کرم کی پیشوائی میں ایک حیاتِ نو کی بشارت دیتی ہیں پھر، جب وہ ہوائیں، پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے کر اڑتی ہیں تو خدا کا قانون انہیں زمینِ مردہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ وہاں ان بادلوں سے پانی برستا ہے جس سے اُسی زمینِ مردہ سے، ہر قسم کے پھول اور پھل پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر طرف زندگی کی نمود ہو جاتی ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ..... (30:50)

پس اگر تم آنکھوں میں بصارت کے ساتھ بصیرت بھی رکھتے ہو تو اللہ کے ان آثارِ رحمت کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔

یہ فطرت کا نظام ہے۔ یہ اس کا قانون ہے جس کے قوانین اٹل اور جس کے آئین غیر متبدل ہیں یہ اس کا قاعدہ ہے جس کے قواعد و ضوابط میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی کہ تبدیلیاں زمان و مکان کے تغیرات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس کی ذات زمان و مکان کی قیود سے ماورا اور ان کے اثرات سے بے نیاز ہے۔

لیکن ان مادی تشبیہات و استعارات سے ہٹ کر ذرا دنیائے انسانیت کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ وہاں بھی یہی اصولِ فطرت کس طرح عمل پیرا ہے۔ یہ مادی تشبیہات و استعارات بھی درحقیقت اسی مقصد کے لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ انسان ان محسوسات کی راہوں سے مجرد حقیقتوں کی طرف آئے اور جو کچھ عالمِ آفاق میں ہو رہا ہے اس سے عالمِ انفس پر دلیل لائے۔ گزشتہ اوراق میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال پیشتر دنیائے انسانیت کی کیا کیفیت ہو چکی تھی۔ تاریخ کی یادداشتیں اس پر شاہد ہیں کہ اس وقت عالمِ انسانیت کی خشک سالی اس سے کہیں زیادہ شدید و مہیب تھی جس کا تشبیہی منظر اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ اُس وقت شجرِ زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب و تمدن کے پھول، وحشت و بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے، حسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جو ہرِ انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب و اخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن

فصلیں بالکل اجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت وسراسیمگی کے عالم میں، خاسر و نامراد انسان اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس و ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ **مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ!** یہ وقت تھا کہ فطرت کے اس اٹل قانون کے مطابق جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اس افسردگی و پژمردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا جاتا۔ چنانچہ اس کے لیے اس رب ذوالمنن کا سحابِ کرم، زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لیے **ربیع الاول کے مقدس مہینے میں** فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور بلدِ امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزۂ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہو گئی، اعمالِ صالحہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی و سرکشی کی بادِ سموم، عدل و احسان کی جاں بخش نسیمِ سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذاتِ اطہرؐ و اعظمؐ کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی، جو علم و بصیرت کے اس افقِ اعلیٰ پر جلوہ بار ہے جہاں عقل و عشق، فکر و نظر، دین اور دنیا، قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں۔ جو دانشِ نورانی و حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے۔ جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔ ہاں تو آسمان نے خوش بخت زمین کی بارگاہِ عالیہ میں جھک جھک کر ہدیہء تبریک و تہنیت پیش کیا، نوامیسِ فطرت نے ''جنت سے نکالے ہوئے آدم'' کے اس طالعِ بیدار کا تقدیس و تحمید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیا سے طاغوتی قوتوں کے تخت الٹ گئے کہ وہ آنے والا آ گیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لیے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب سے انسانی تصورات کی دنیا نار کی جگہ نور سے معمور ہو گئی۔ دنیا کے صنم کدوں کے بت پاش پاش ہو گئے کہ آج مسلکِ ابراہیمیؑ کی تکمیل کا دن آ گیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جا کر منہ چھپا لیا کہ اب جور و استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے روپوش ہونے کا وقت آ گیا۔ دنیا سے باطل کی تاریکیاں دور ہو گئیں کہ آج اس آفتابِ عالمتاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے ''جگمگاتا چراغ'' کہہ کر پکارا .... **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا** (33:45-46) آنے والا جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا کہ **وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ** (7:157) جب وہ آیا تو اس نے ان تمام اغلال و سلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جن میں انسانیت جکڑی چلی آ رہی تھی۔ احبار و رہبان کی تقلید کے اطواق و سلاسل، قیصر و کسریٰ کے استبداد کی زنجیریں، توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں۔ تقسیمِ انسانیت کے انسانیت کش نسلی، جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار، سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے اور پابندِ قفس طائرِ لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں، اذنِ بال کشائی عطا ہوا اور انسان ایک مرتبہ پھر زمین پر سر اونچا کر کے چلنے کے قابل ہو گیا۔ انسانیت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ مل گئی۔ عقل کو عشق کا جنون اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو شکوہِ خسروی اور

پادشاہی کو استغنائے فاروقی عنایت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامی کہ

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اس طرح وہ دلوں کی مردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔

اسی حقیقتِ باہرہ کو باندازِ دگر دیکھئے۔ آویزشِ ابلیس و آدم سے سلسلہء رشد و ہدایت کی ابتداء ہوئی۔ ابلیسانہ قوتوں کی تائید میں کشش و جاذبیت کا وہ تمام نگاہ فریب سامانِ رنگ و تعطر تھا جو نگارخانہء طلسم و حیرت کے دامن میں بھر کر رکھ دیا گیا تھا۔ دوسری طرف انسانی راہنمائی کے لیے پیغامِ ازلی تھا جو مبداء فیض کی شانِ ربوبیت سے انسانوں تک پہنچتا رہا۔ عقلِ خود بیں طبعیاتی زندگی ہی کو سفرِ حیات کی آخری منزل قرار دے کر، اعلیٰ مقاصد اور بلند اقدار کو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی تھی لیکن یہ پیغامِ ازلی اس کے سامنے طبعیاتی زندگی کی آرائشوں کے ساتھ ساتھ شرفِ انسانیت کی بلند حقیقتوں کو بے نقاب کرتا تھا۔ اس پیغام کی لم ایک تھی۔ حقیقت ایک تھی لیکن جوں جوں اس طلسم کدۂ رنگ و بو کی پیچیدگیاں بے نقاب ہوتی جاتی تھیں۔ اس تعلیم کی جزئیات میں مناسب ردوبدل اور ضروری تغیر و تبدل ہوتا جاتا تھا تاکہ طبعی ارتقا کے ساتھ ساتھ جوہرِ انسانیت میں بھی تبدریج ارتقا ہوتا جائے۔ یہ ارتقائی مدارج تکمیل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رہروانِ شوق کا یہ کاروان سوئے منزل جادہ پیما تھا۔ ان پیغمبرانِ حیاتِ جاوید کا ہر ایک قدم ایک خاص سمت اٹھتا اور ہر نشانِ راہ ایک آخری مستقر کی طرف اشارہ کرتا جاتا۔ چنانچہ آنے والوں میں سے جو کوئی اپنے منصب کی تکمیل کے بعد واپس جاتا تو جاتے وقت ایک آخری آنے والے کا پتہ نشان بتا کر جاتا تاکہ جب وہ آنے والا آئے تو یہ قافلہ بلا تامل و توقف اس کے پیچھے ہو لے اور راہ گم کردہ مختلف وادیوں میں سرگرداں و حیراں نہ پھرتا رہے۔ اس لیے کہ یہ سب ایک ہی سلسلہء زریں کی مختلف کڑیاں تھیں جن میں کی ہر کڑی سلسلہ کی آخری کڑی کی روشن دلیل تھی۔ یہ سب ایک ہی کتابِ فطرت کے اوراق و ابواب تھے جن میں کا ہر ورق اور ہر باب، کتاب کے آخری باب کی تمہید تھا۔ یہ سب ایک ہی شجرِ طیب کی شگفتہ شاخیں تھیں جو ایک گلِ سرسبد کے لیے نویدِ بہار تھیں۔ چنانچہ جب مشیتِ ایزدی کی یہ تدبیرِ محکم جس کے لیے زمین و آسمان قرنہا قرن سے یوں سرگرداں پھر رہے تھے اپنی پختگی تک پہنچی۔ جب انسانیت جس کے لیے کائنات نے ایک ایک ذرے کو لاکھوں چکر دیے تھے، گہوارۂ طفولیت سے حریمِ شباب میں آ گئی۔ جب اس صحیفہء فطرت کی تکمیل کا وقت آ گیا جس کے مختلف اوراق ستاروں کی ٹھنڈی ٹھنڈی مرمریں روشنی میں کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے لکھے گئے تھے۔ جب سینہء کائنات میں اتنی کشاد پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے اندر رازہائے درونِ پردہ کے معدنِ لعل و گوہر کو سمو لے تو آسمان کی حوریں زمین پر اتریں کہ جنت کے تر و تازہ پھولوں سے وادی بطحا کی تزئین و آرائش کریں۔ صحنِ گلستانِ کائنات

پر بہار آ گئی، ہر طرف سے مسرتوں کے چشمے ابلنے لگے۔ چاند مسکرایا۔ ستارے ہنسے، آسمان سے نور کی بارش ہوئی۔ فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر، ایک پیکرِ محبوبیت کا حسین تصور بن کر چمکنے لگی۔ فلک تعظیم کے لیے جھکا۔ زمین نے اپنی خاک آلود پیشانی سجدہ سے اٹھائی کہ آج اس کی قرنہا قرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آ پہنچا تھا صحرائے حجاز کے ذرے جگمگا اٹھے۔ بلدِ امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اس آنے والے کی آمد آمد تھی جس کی طرف جبلِ تین پر حضرت نوحؑ نے اشارہ کیا تھا اور جسے کوہِ زیتون پر حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو وجہِ تسکینِ خاطر بتایا تھا جس کی آمد کی بشارتیں وادیِ طور سینین میں بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں اور جس کے لیے دشتِ عرب میں حضرت خلیل اکبرؑ اور ذبیحِ اعظمؑ نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا۔ وہ آنے والا کہ جس کے انتظار میں زمانے نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں۔ آیا اور اس شانِ زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے۔ فرشتوں نے زمزمہء تبریک گایا، سدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جھولا جھلایا۔ ملاء اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا۔ کائنات کے ذرے چمک اٹھے۔ فضائے عالم صلوٰۃ وسلام کی فردوس گوش صداؤں سے گونج اٹھی اور انس و جان وجد و کیف کے عالم میں پکار اٹھے کہ

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا — اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
در جہانِ ذکر و فکر و انس و جاں — تو صلوٰۃِ صبح، تو بانگِ اذاں

یہ آنے والا رسولؐ کَآفَّةً لِّلنَّاسِ اور رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اُسی کتابِ مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمدؐ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبویؐ میں اتاری گئی۔ شامِ جاں نواز نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی وہ لالہ و یاسمن کی ان ہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبیِ آخر الزمان ﷺ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدی کیا ہے؟ ان ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا اور مقامِ محمدی کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ و تابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جو ہر الگ الگ پڑے تھے، یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے، یہاں ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے، یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں یہ پھول تھے۔ وہ ذرے تھے، یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے، یہ ملت تھی۔ وہ نقطے تھے، یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتد است
رحمۃٌ لِّلعَالمینی انتہا است

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا، شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لیے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لیے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق، دل بندوراہِ مصطفیٰؐ رو

یہ تھا حاصلِ بہارِ چمنِ کائنات کہ جس کا ظہور، صبحِ بہارِ کائنات تھا۔

وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنیٔ کونین
وہ جانِ حسنِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود
وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود
وہ سرورِ دو جہاں وہ محمدؐ عربی
بروحِ اعظم و پاکش درودلا محدود

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

☆.....☆.....☆

خواجہ ازہر عباس کی کتب دستیاب ہیں

خواجہ ازہر عباس صاحب کی مندرجہ ذیل کتب ادارہ طلوع اسلام سے بارعایت دستیاب ہیں:

1- ذہن جو قرآن بناتا ہے	200روپے	2- انسانیت کی آخری پناہ گاہ	200روپے
3- اقامتِ دین فرض ہے	200روپے	4- زندہ اور زندگی دینے والا دین	200روپے
5- عقیدہ الہام خلافِ قرآن ہے	50روپے		

ڈاک خرچ ان قیمتوں کے علاوہ ہوگا۔

جنوری 2014ء سے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی قیمت =/40 روپے فی پرچہ کی جارہی ہے

براہِ کرم سن 2014ء میں قارئین مندرجہ ذیل حساب سے قیمت ادا فرمائیں

اندرون ملک فی پرچہ =/40روپے سالانہ =/450روپے

بیرون ملک سالانہ -/2500روپے

ہماری کوشش رہتی ہے کہ طلوع اسلام کو خوب سے خوب تر کیا جائے جس کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا۔ 2014ء میں ہمارے زیادہ تر مضامین کے مخاطب نوجوان ہوں گے اس لیے سن 2014ء کا سال ہم نوجوانوں کے نام منسوب کررہے ہیں۔

طلوع اسلام ایک تحریک ہے اور قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر بھی، ''تم اللہ کے لیے اکیلے اکیلے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر سوچو (34:46)''، اس ہدایت کی روشنی میں ہم اپنے قارئین دوستوں سے یہ کہنا چاہیں گے کہ وہ ہر ماہ ''طلوع اسلام'' کے 2 رسالے ضرور خریدیں۔ ایک اپنے لیے اور دوسرا اپنے کسی دوست یا عزیز کے لیے۔ طلوع اسلام چندہ وغیرہ مانگنے کا قائل نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، آپ کا کم از کم تعاون اتنا ہوگا کہ آپ کو دو رسالے خریدنے ہوں گے۔ آپ کے اس تعاون کی وجہ سے ہمارے لیے ممکن ہوگا کہ فروری 2014ء سے ہم تعلیمی اداروں، پبلک لائبریریز اور ریڈنگ رومز کو کم از کم دو شمارے اعزازی طور پر یعنی کوئی قیمت لیے بغیر ہر ماہ دیا کریں۔ اس کام میں ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ادارہ طلوعِ اسلام

بنک اکاؤنٹ کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

بنک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ، گلبرگ برانچ کوڈ (0465)۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
mhleeladv@yahoo.com

تیسری قسط

مذہبی پیشوائیت

احبار و رُہبان

حکمرانی اور مذہبی پیشوائیت:۔ طلوعِ اسلام مارچ ۱۹۷۸ء ص۔۱۴۔ ''تاریخ انسانیت اس بالا دست طبقے کو دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے۔ ایک گروہ وہ جو سیاسی غلبہ حاصل کر لیتا تھا۔ اسے حکمران طبقہ کہئے۔ دوسرا وہ جو مذہبی سیادت حاصل کر لیتا تھا۔ یعنی مذہبی پیشوائیت۔ زیر دست انسانوں کو غلامی کی زنجیریں تو یہ دونوں طبقے پہناتے تھے، لیکن حکمران طبقہ کے مقابلہ میں، مذہبی پیشوائیت کی زنجیریں زیادہ محکم اور سخت ہوتی تھیں۔ مثلاً۔(۱)۔ حکمرانوں (بادشاہوں وغیرہ) کو اپنا غلبہ و تسلط قائم اور مستحکم رکھنے کے لئے، پولیس اور فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن مذہبی پیشوائیت کو ان میں سے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اس لئے کہ حکمرانوں کا تسلط محکوموں کے جسموں پر ہوتا ہے اور مذہبی پیشوائیت کا استیلا ان کے قلب اور دماغ پر۔ حکمرانوں کے خلاف سرکشی کے جذبات دلوں میں ابھرتے، اور بعض اوقات بغاوت کی شکل میں ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن مذہبی تسلط کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی شخص کے دل کی انتہائی گہرائیوں میں ذرا سا اختلاف کا شائبہ بھی کروٹ لے تو وہ ڈرتا ہے۔ روتا ہے۔ گڑگڑاتا ہے، معافیاں مانگتا ہے۔ منتیں مانتا ہے۔ کفارے ادا کرتا ہے۔ ''نادیدہ خوف'' اس کے اعصاب پر ایسی کڑی گرفت رکھتا ہے کہ وہ سر اُٹھانے کی جراءت ہی نہیں کر سکتا۔(۲)۔ حکمرانوں کو محکوموں (رعایا) کی روٹی کی فکر کرنی پڑتی ہے۔ اگر انہیں روٹی ملنے میں کچھ توقف ہو جائے تو وہ شورش برپا کر دیتے ہیں۔ لیکن مذہبی پیشوا ہیں کہ لوگ ان کے پاؤں بھی چومتے ہیں اور ان کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں اور آسائشیں بھی مہیا کرتے ہیں۔ خود بھوکے رہتے ہیں اور ان کی دعوتیں کرتے ہیں۔ وہ اگر کبھی ناراض ہو جائیں تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ انہیں منانے کے لئے منتیں مانی اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کی بارگاہ میں اپنے بچوں تک کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی گرفت کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ وہ گرفت جو ان کی زندگی تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ ان کی۔۔ موت کے بعد بھی بدستور قائم رہتی ہے۔ لوگ ان کی سمادھیوں اور قبروں تک کو سجدے کرتے ہیں۔(۳)۔ حکمرانوں کا تسلط نہ ابدی ہوتا ہے نہ غیر متبدل۔ حکمران قومیں آتی ہیں، جاتی ہیں۔ کبھی ایک خاندان کی حکومت ہوتی ہے کبھی دوسرے کی۔ کبھی ایک بادشاہ کا تسلط ہوتا ہے کبھی دوسرے کا۔ کبھی ایک نظامِ حکومت برسر اقتدار رہتا ہے کبھی دوسرا۔ لیکن مذہبی حکمرانی غیر مختتم اور غیر متبدل ہوتی ہے۔ آپ ہندوستان کی تاریخ پر غور کیجئے۔ اس کی ہزاروں

سال پر پھیلی ہوئی تاریخ میں کتنی قومیں آئیں اور چلی گئیں۔ کتنی بادشاہتیں قائم ہوئیں اور ختم ہوگئیں۔ کتنے نظام مسلط ہوئے اور بدلے گئے۔ لیکن زمانہ قبل از تاریخ میں (ویدوں اور شاستروں کے زمانے میں) ہندو دھرم نے جسے شودر کہہ دیا وہ آج تک شودر چلا آتا ہے۔ (کیونکہ شودر کا بیٹا ہمیشہ شودر ہوتا ہے)۔ جسے برہمن کہہ کر۔۔۔ لوگوں کے سر پر بٹھا دیا وہ آج تک برہمن ہے۔ نہ شودر کی غلامی میں فرق آیا نہ برہمن کی حکمرانی میں۔ اس قسم کی حکومت دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ (۴)۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ خود حکمرانوں کو بھی اپنے غلبہ وتسلط کے لئے مذہب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جب تک پنڈت، کھشتری (راجہ) کے ماتھے پر اپنی تصویب و توثیق کا تلک نہ لگا دے، وہ گدی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ مذہبی پیشوا اسے خدا کا اوتار اور ظل اللہ علی الارض قرار دیتے ہیں تو وہ رعایا سے اپنا حکم منواتا ہے۔ آپ تاریخ عالم پر نگاہ ڈالئے۔ وہ اسی کشمکشِ صید وصیاد کی الم انگیز داستان نظر آئے گی۔ شکاریوں کے صرف جال بدلیں گے۔ شکار کی ہوس نہ صرف یہ کہ بدلے گی نہیں، بلکہ زمانہ کے ساتھ، بڑھتی چلی جائے گی۔''

مذہبی پیشوائیت کی دوامی حکمرانی:۔ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۸۳ء۔ صفحہ نمبر ۱۱۔ ''یہ حقیقت بڑی واضح ہے۔ (مثلاً) عباسی مملکت باقی نہ رہی۔ ان کی حکومت نسیاً منسیا ہوگئی۔ وہ سلاطین نذرِ خاک ہوگئے۔ جو سیاسی قوانین وضوابط انہوں نے وضع اور نافذ کئے تھے وہ سب کالعدم ہوگئے۔ ان کے آثار تک مٹ گئے۔ لیکن اُس دور میں جو قوانین، شریعت کے نام سے مدون ہوئے تھے، ان کی حکمرانی بدستور قائم ہے۔ وہ اُمت کے سر پر اسی طرح مسلّط ہیں۔ یہ وہ شخصی قوانین (پرسنل لاز) ہیں جو فقہ کے نام سے اُمت میں رائج ہیں۔ اس تمام دوران میں مملکتیں قائم ہوئیں اور اجڑ گئیں۔ حکومتیں بنیں اور بگڑیں۔ فلک جاہ ثروتوں، قوتوں، دبدبوں کے مالک شہنشاہ اپنے اپنے وقت میں زلزلہ انگیز ہوئے اور پھر آسودہ لحد ہوگئے۔ ان گردشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (3:140) کے مناظر زمانہ کے پردہ سیمیں پر سامنے آتے اور تاریخ کے اوراق میں سمٹتے چلے گئے۔ لیکن مذہبی پیشوائیت کی قلمرو میں نہ زوال آیا نہ تغیر۔ ان کے وضع کردہ قوانین کی محکمیت کا یہ عالم ہے کہ ان کی جزئیات تک کو کوئی چھو نہیں سکتا۔ وہ تقدس کے حصار میں محفوظ ہیں۔ وہ خدا کی کبریائی کی طرح ابدی تصور کئے جاتے ہیں، اور ارشاداتِ الٰہیہ کی طرح غیر متبدل۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا تصور الحاد ہے اور ان سے انحراف، ارتداد، جس کی سزا موت ہے۔ غیر اسلامی حکومت میں تو پھر بھی ان کا دائرہ پرسنل لاز تک محدود رہتا ہے لیکن ''اسلامی حکومت'' میں ان کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ معاشرتی، معاشی، سیاسی (وغیرہ) امور سے متعلق کسی باب میں بھی جب اربابِ مذہب کہیں کہ ''شریعت کا یہ حکم ہے'' تو بڑے سے بڑے ذی اقتدار کی بھی یہ جراءت نہیں ہوسکتی کہ اس کے خلاف ایک حرف بھی زبان تک لاسکے۔ دنیاوی اربابِ اقتدار تو ایک طرف، اگر خدا کا کوئی حکم بھی ان کے خلاف ہو، تو مذہبی پیشوائیت کا فیصلہ ہوگا کہ اسے منسوخ سمجھا جائے۔'' آگے چل کر لکھا ہے۔ ''جو فقہی قوانین ہمارے ہاں (یعنی امتِ مسلمہ میں) رائج چلے آرہے ہیں، ان کے مرتبین کی علمی اور فقہی قابلیت مسلّم، ان کا بزرگانہ احترام بھی اپنے مقام پر بجا، لیکن وہ تھے تو بالآخر انسان ہی۔ لیکن عقیدت مندانہ غلو نے انہیں فوق البشر مقام عطا کر رکھا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مرتب کردہ کسی قانون پر تنقید کو ان کی توہین قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور ایسا جرم

جس کی پاداش میں اس شخص پر جینا حرام کر دیا جاتا ہے۔'' مزید آگے چل کر لکھا ہے کہ:۔'' آپ نے غور فرمایا کہ مذہبی پیشوائیت کی حکمرانی (تھیاکریسی) کی وسعتیں، زمان و مکان، ہر دو جہت سے کس قدر لامحدود ہیں۔ کیا دنیا کی کسی اور حکومت کو اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں؟۔ ان کی حکومت کی ایک منفرد خصوصیت اور بھی ہے۔ انہیں اپنی حکمرانی کے تحفظ کے لئے نہ پولیس کی ضرورت ہوتی ہے نہ فوج کی۔ نہ انتظامیہ کی حاجت ہوتی ہے، نہ اقتصادیہ کی۔ یہ تمام دردِسر گورنمنٹ کا ہوتا ہے اور حکم ان کا چلتا ہے۔ یعنی گائے کے سینگ کسی اور نے پکڑے ہوتے ہیں اور دودھ یہ دوہتے ہیں۔ لوگ ان کی فرمانبرداری بھی کرتے ہیں، نذرانے بھی پیش کرتے ہیں اور پاؤں بھی چومتے ہیں۔ انہیں اپنے سنگھاسن کے ڈولنے کا خطرہ ہی نہیں ہوتا۔ حکومتیں آتی رہیں، جاتی رہیں، ان کا سکہ ہر عہد میں رواں رہتا ہے۔ یہ بہت سمجھ دار لوگ ہیں۔ یہ دوسروں کو تخت پر بٹھاتے ہیں، خود کبھی تخت پر نہیں بیٹھتے۔ اس لئے تخت پر بیٹھنے کی کوئی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتے۔ برہمن راجہ کے ماتھے پر تلک لگاتا اور اسے اشیر باد (دعا) دے کر مندر چلا جاتا ہے۔ پادری بادشاہ کے سر پر مقدس پانی چھڑک کر اور اسے ''محافظِ مذہب'' قرار دے کر بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ قاضی القضاۃ، خلیفۃ المسلمین کے ظل اللہ علی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) ہونے کا اعلان کر کے، فتاویٰ کا قلمدان سنبھال لیتا ہے۔ ہر قسم کی مخالفتوں کا مقابلہ صاحبانِ تخت و تاج کو کرنا پڑتا ہے، اور حکم ان کا چلتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے احکام اور فتاویٰ کے نفاذ کی ذمہ داری بھی اربابِ حکومت کے سر پر ہوتی ہے۔ مذہب پرست حکومتوں کا تو ذکر ہی کیا، سیکولر حکومتیں بھی مذہبی پیشوائیت کے حدودِ قلمرو میں دخل انداز نہیں ہو سکتیں۔ یہ ہے تھیاکریسی کی حکمرانی کی کیفیت! سوچئے کہ کوئی بھی اس قسم کی حکمرانی کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوگا؟۔ اسے چھڑایا تھا صدرِ اوّل (محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہٗ) کی قرآنی حکومت نے، جس نے ان تمام امور کو، جنہیں مذہبی پیشوائیت نے اپنی اجارہ داری بنا رکھا تھا، اپنے ہاتھ میں لے کر اس طبقہ کے وجود کو ختم کر دیا اور دنیا کو دکھا دیا کہ مذہب اور سیاست کی ثنویت کو کس طرح مٹایا جاتا ہے۔ یہ تاریخِ انسانیت کا منفرد انقلاب تھا۔ دنیا کی کسی قوم نے نہ اس سے پہلے ایسا کیا تھا اور نہ اس کے بعد کوئی قوم ایسا کر سکی ہے۔ ایسا صرف اسلام نے کر کے دکھایا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس ثنویت کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ''مذہبی امور'' بھی حکومت کی تحویل میں رہیں۔ اس کا طریقہ یہ نہیں کہ امورِ مملکت بھی مذہبی پیشوائیت کے تابع فرمان ہوں۔

انتقام:۔ لیکن اسلام نے جو کچھ مذہبی پیشوائیت کے ساتھ کیا تھا، مذہبی پیشوائیت نے اس سے اس کا ایسا انتقام لیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے اُس اسلام ہی کو ختم کر دیا جس نے اُن کے اقتدار کو ختم کیا تھا۔ اور اس کے بعد شجرِ ملت پر اس طرح اکاس بیل بن کر چھا گئی کہ درخت سوکھتا گیا اور بیل پھیلتی چلی گئی۔ آج دنیا کی کسی قوم میں بھی مذہبی پیشوائیت کا اس قدر محکم تسلط نہیں جتنا مسلمانوں کے ہاں ہے۔ ہمارے زمانے میں دنیا کی اکثر قوموں نے ان کے تسلط کو کمزور کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ہاں یہ پہلے سے بھی زیادہ متشدد ہو گیا ہے۔ اور ایسا بڑے ہی نگاہ فریب انداز سے کیا گیا ہے۔ اس کا نام رکھا گیا ہے ''احیاء اسلام'' (فنڈامنٹل ازم)۔ یاد رکھئے! مروجہ اسلام کے احیاء اور فروغ کی کوششیں جس قدر بار آور ہوں گی، اسی قدر مذہبی پیشوائیت کی گرفت مضبوط ہوتی جائے

گی۔اور اسی نسبت سے امتِ مرحومہ کا جسدِ ناتواں کمزور اور مضمحل ہوتا جائے گا۔۔اس کا توڑ قرآن کے عصائے ازلی کے سوا کچھ نہیں۔لیکن اس کی طرف، یہ سازشیں اسے آنے نہیں دیں گی۔اگر آپ اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو فرصت میں ''ارمغانِ حجاز'' میں، اقبال کی بصیرت افروز نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' کا مطالعہ کیجئے اور بار بار کیجئے۔شاید کہ ترے دل میں اُتر جائے مری بات!۔''

طلوعِ اسلام مئی ۱۹۷۸ء (صفحہ نمبر ۴۵۔۴۴)۔''آپ انسانی نفسیات پر غور کیجئے۔دنیا میں کوئی انسان بھی کسی دوسرے انسان کا محکوم اور غلام بننا نہیں چاہتا۔اُس کی طبیعت ان زنجیروں کے خلاف اِبا کرتی ہے۔پھر یہ کیا ہے کہ انسانوں کا گروہِ عظیم، ایک انسان یا انسانوں کے گروہ کی محکومی اور غلامی پر اس طرح رضامند ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف بغاوت کرنا تو ایک طرف، اس کے دل میں اس کے خلاف نفرت کا جذبہ تک پیدا نہیں ہوتا؟۔یہ کام مذہبی پیشوائیت کرتی ہے۔اس کی سحر آفرینی کا اثر ہے کہ:۔صید خود صیاد را گوید بگیر۔۔۔برہمن عوام کو یہ کہہ کر افیون پلاتا ہے کہ راجہ ایشور کا اوتار ہے۔کلیسا کا اسقف، سادہ لوح انسانوں سے کہتا ہے کہ بادشاہ کو حقوقِ خداوندی (Divine Rights) حاصل ہوتے ہیں۔محراب و منبر سے یہ سحر آفریں الفاظ دہرائے جاتے ہیں کہ۔۔۔السلطان ظل اللہ علی الارض۔۔۔بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔اس لئے بادشاہ کے حکم کی تعمیل درحقیقت اطاعتِ خداوندی ہے۔جو اس سے سرتابی کرتا ہے وہ خدا کی معصیت کرتا ہے۔اس کے ساتھ ہی وہ اس قسم کے وعظ کہتا رہتا ہے کہ دنیا قابلِ نفرت ہے اس سے دور بھاگو۔اس دنیا کی قوت و دولت، ثروت و حشمت، زیب و زینت، فاسق و فاجر لوگوں کے لئے ہے۔خدا کے بندوں کی دنیا آخرت ہے۔انہیں اس پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔اور آخرت کے حصول کے لئے وہ چند بے روح عقائد اور بے جان رسومات کو عین دین قرار دے کر، لوگوں کو ان میں زیادہ سے زیادہ منہمک رکھتا ہے تاکہ ان کی نگاہ دوسری طرف اٹھنے ہی نہ پائے۔۔۔

مذہبی پیشوائیت اور ملوکیت کا ساجھا:۔مذہبی پیشوائیت، عوام کو اس فریب میں مبتلا رکھتی ہے تاکہ ملوکیت کو اپنی سلب و نہب میں کسی قسم کا خطرہ نہ رہے۔اس طرح ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا ساجھا ہو جاتا ہے۔راجہ، برہمن کی رکھشا (حفاظت) کرتا ہے اور برہمن، راجہ کو اشیر باد (دعا) دیتا ہے۔کنگ، کلیسائی نظام کے لئے جاگیریں مقرر کرتا ہے۔اور کلیسا، بادشاہ کے حقوقِ خداوندی کا محافظ بنتا ہے۔سلطان، مذہبی پیشواؤں کے وظائف مقرر کرتا ہے اور مذہبی پیشوا برسرِ منبر اس کے لئے تائید و نصرت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔یہ ہے ملوکیت اور برہمنیت کی وہ ملی بھگت جس سے استبداد کے فولادی پنجہ کی گرفت کبھی ڈھیلی نہیں ہونے پاتی۔یاد رکھئے! ہامان کی مدد کے بغیر، کسی فرعون کی فرعونیت ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔اسلام نے ملوکیت کے ساتھ، مذہبی پیشوائیت کا بھی خاتمہ کر دیا۔لیکن جب مسلمانوں میں ملوکیت کی دوبارہ نمود ہوئی تو فطری طور پر اس کے ساتھ مذہبی پیشوائیت بھی جلوہ دہِ محراب و منبر ہوگئی۔اقبال نے قوم کو اس مہیب خطرہ سے بھی آگاہ کیا۔اور عمر بھر، سلطانی کے ساتھ، ملائی و پیری کے خلاف بھی مصروفِ جہاد رہا۔قرآن کریم نے مذہبی پیشوائیت کے فتنہ کے سلسلہ میں کہا تھا:۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (9:34)۔یاد رکھو! یہ علماء و مشائخ، عوام کی کمائی مفت میں کھا جاتے ہیں۔یہ، لوگوں سے کہتے یہ ہیں کہ ہم تمہیں خدا کا راستہ دکھاتے

ہیں۔ حالانکہ خدا کے راستے میں سب سے بڑی روک خود یہی لوگ ہیں۔ ان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس راستے پر چلنے ہی نہ پائیں جو خدا نے ان کے لئے تجویز کیا ہے۔ انہی کے متعلق اقبال نے کہا ہے کہ:۔

یہی شیخِ حرم ہے، جو چُرا کر بیچ کھاتا ہے گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ!

ٹیکنیک:۔ خدا اپنے رسولوں کی وساطت سے جو دین بھیجتا تھا وہ ایک مکمل ضابطہء حیات ہوتا تھا جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دنیا سے ظلم و استبداد اور سلب ونہب پر مبنی ہر نظام کو مٹا کر اس کی جگہ نظامِ خداوندی متشکل کر دیا جائے۔ دین کے بنیادی تصورات اور ارکان ومناسک سب اسی انقلابی پروگرام کے اجزاء ہوتے تھے۔ مذہبی پیشوائیت کی ٹیکنیک یہ ہوتی تھی کہ دین کے ان تصورات کے الفاظ اسی طرح باقی رکھے جائیں لیکن ان کا مفہوم بدل دیا جائے۔ اس کے ارکان ومناسک کی ظاہری شکل وصورت وہی رہے لیکن وہ چند بے مقصد رسومات کا مجموعہ بن کر رہ جائیں۔ یوں ''مذہبی پیشوائیت'' کا وضع کردہ مذہب، دینِ خداوندی کی ممی شُدہ لاش بن کر رہ جاتا تھا جس کے خط وخال تو وہی رہیں لیکن جس کی حقیقت ایک جسدِ بے روح سے زیادہ کچھ نہ ہو۔ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہا کہ:۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں، لیکن مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

دوسرے مقام پر کہا ہے کہ:۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ افلاک میں، تکبیرِ مسلسل یا خاک کے آغوش میں، تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

فرعونی سیاست:۔ قرآن کریم نے فرعون کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا تھا کہ:۔ **جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ** (28:4)۔ وہ قوم میں افتراق پیدا کرتا رہتا۔ انہیں پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا۔ کبھی ایک پارٹی کو اوپر چڑھا دیتا اور دوسری کو نیچے گرا دیتا۔ اور اس طرح انہیں کمزور کرتا رہتا کہ وہ اس کے خلاف اٹھنے نہ پائیں۔ قرآن کریم نے امت میں تفرقہ کو خدا کا عذاب قرار دیا اور واضح الفاظ میں کہا کہ:۔ **وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ** (30:31-32)۔ مسلمانو! دیکھنا، تم ایک خدا پر ایمان لا کر کہیں پھر سے مشرک نہ بن جانا۔ یعنی تم فرقوں میں نہ بٹ جانا۔ فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو باطل پر۔ اس طرح امت میں مسلسل پھوٹ پڑی رہتی ہے۔ ملوکیت کا اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کام مذہبی پیشوائیت سے کراتی ہے۔ مذہبی پیشوائیت امت کو مختلف فرقوں میں بانٹ دیتی ہے۔ یہ فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہتے اور اس طرح انہیں باہم لڑاتے رہتے ہیں، اور ملوکیت اطمینان سے اپنی مفاد پرستیوں میں مصروف رہتی ہے۔ اقبال

نے جاوید نامہ میں، سعید حلیم پاشا کی زبان سے اسی حقیقت کو واشگاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

دینِ حق از کافری رسوا تر است — زانکہ مُلّا مومنِ کافر گر است
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد — ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و مُلّا و اسرارِ کتاب؟ — کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب
دینِ کافر، فکرو تدبیرِ جہاد — دینِ مُلّا، فی سبیل اللہ فساد

بالِ جبریل میں انہوں نے اسی حقیقت کو ذرا شوخ انداز میں بیان کیا ہے۔ جب کہا ہے کہ قیامت میں:۔

میں بھی حاضر تھا وہاں، ضبطِ سخن کر نہ سکا — حق سے جب حضرتِ مُلّا کو ملا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی! میری تقصیر معاف — خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت
نہیں فردوس، مقامِ جدل و قال و اقول — بحث و تکرار، اس اللہ کے بندے کی سرشت!
ہے بد آموزیء اقوام و ملل کام اس کا — اور جنّت میں، نہ مسجد، نہ کلیسا، نہ کنشت

دین کے پروگرام کا ماحصل یہ تھا کہ جماعتِ مومنین، فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، انہیں قرآن میں عطا کردہ مستقل اقدار کے مطابق، نوعِ انسان کی منفعت کے لئے عام کر دے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصدِ جلیل کے حصول کے لئے علومِ سائنس پر پوری پوری دسترس کے علاوہ، عالمگیر انسانیت کے مقتضیات اور عصرِ حاضر کے تقاضوں پر بھی گہری نگاہ ہونی چاہیئے۔ لیکن جو کچھ ہماری مذہبی درسگاہوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے اس سے تو اتنا بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ سوئی کیسے بنائی جاتی ہے۔ اور یونائیٹڈ نیشنز کس بلا کا نام ہے۔ ان درس گاہوں کے فارغ التحصیل ''علمائے کرام'' کو زندگی کے عملی مسائل سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اقبال نے کہا تھا کہ:۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے؟۔ — اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

اتنا ہی نہیں۔۔۔ ان کے نصاب میں اٹھارہ اٹھارہ علوم تو ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کے لئے اس میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ جو علوم وہاں پڑھائے جاتے ہیں، ان سے، ان کے ذہنوں میں فرسودہ یونانی علم الکلام اور پامال شدہ عجمی تصورات اس طرح ٹھونس دیئے جاتے ہیں کہ ان میں دین کے مبادیات تک کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ اسی کا رونا روتے ہوئے اقبال نے کہا تھا کہ:۔ع:۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے — ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے
وہ رمزِ شوق جو پوشیدہ لا الٰہ میں ہے — طریقِ شیخ فقیہا نہ ہو تو کیا کہیئے

طریقت:۔ یہ تو اربابِ شریعت کا حال ہے۔ اصحابِ طریقت ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ بالِ جبریل میں ہے:۔

رمز و ایماء اس زمانے کے لئے موزوں نہیں — اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ، کہہ سکتے تھے جو، رخصت ہوئے — خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن

دین کا انقلابی پروگرام یکسر مجاہدانہ زندگی کا متقاضی تھا۔ جس کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جس کے رگ و پے میں بجلیاں بھری ہوئی ہوں۔ تصوف زندگی سے فرار سکھاتا ہے۔ اس لئے خدا کے دین سے اس کا تعلق کیا ہوسکتا ہے؟۔۔۔ اقبال کے الفاظ میں۔۔۔ ''تصوف، اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے۔''۔۔۔ دین، قوموں کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا دیتا ہے۔ تصوف رگِ حیات میں رواں دواں خون کو منجمد کر کے رکھ دیتا ہے۔ دین، وہ شعلہء جوالہ ہے جو باطل کے ہر نظام کو خس و خاشاک کی طرح راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ تصوف زندگی کی رہی سہی حرارت کو بھی افسردہ کر کے قوموں کو موت کی نیند سُلا دیتا ہے۔ یہی وہ تاسف انگیز منظر تھا جسے دیکھ کر اقبال نے ایک سرد آہ بھر کر کہا تھا کہ:۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیء احوال — مُلّا کی شریعت میں فقط مستیء گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو — ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیء کردار

اُس نے اربابِ خانقاہیت کو پکار کر کہا کہ:۔

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اقبال سے بھی پہلے، ایک اور قرآنی نگاہ رکھنے والے مردِ مومن۔۔۔ سرسید علیہ الرحمۃ۔۔۔ نے ان اجارہ دارانِ روحانیت کے متعلق کہا تھا کہ:۔ ''مسکینی اور انکساری ان کو آسمان پر چڑھاتی ہے۔ اس لئے یہ اور زیادہ مسکین اور منکسر بنتے ہیں۔ سادہ لوح پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ اور سادہ بنتے جاتے ہیں۔ دنیا سے نفرت ان کو دنیا دلاتی ہے اس لئے یہ دنیا سے زیادہ نفرت کرتے جاتے ہیں۔ بے طمعی، محنت کے بغیر درہم و دینار دلاتی ہے اس لئے یہ اور زیادہ بے طمع ہوتے جاتے ہیں۔ لوگ ان کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا کہتے ہیں اس لئے ان کے دل میں دوسروں کی ہر بات کی حقارت جمتی جاتی ہے''۔۔۔ ان بظاہر ''حجرہ نشینوں'' کی یہ کیفیت ہے کہ لوگوں کو یہ دنیاوی آسائشوں اور زیبائشوں سے نفرت دلاتے رہتے ہیں لیکن خود ان کے محلات ہر قسم کی عیش سامانیوں کے مراکز ہوتے ہیں۔ اقبال نے (بال جبریل میں) ایک ''باغی مرید'' کی زبان سے اسی حقیقت کی پردہ کشائی کی ہے۔ جب کہا ہے کہ:۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ — مانندِ بتاں پجتے ہیں، کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں! سود ہے، پیرانِ حرم کا — ہر خرقہء سالوس کے اندر ہے مہاجن

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

یہ تھا ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا وہ دجل وفریب جس کے احساس سے اقبال نے خون کے آنسو روتے ہوئے بحضور رب العزت فریاد کی تھی کہ:۔

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ سلطانی بھی عیاری ہے، درویشی بھی عیاری

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصفٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

کاشف راز

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

یاد کیجئے اور بتائیے، آپ نے کبھی کسی صدر اور کسی وزیراعظم سے، ہماری آج کی دنیا کے کسی ایک آدھے ملک کے بچے کھچے بادشاہ سلامت، ہز رائل ہائی نیس (HIS ROYAL HIGHNESS) سے، یا اس سے جو خود کو بہت بڑا سیاسی اور عوامی لیڈر سمجھتا ہو، یا اس شخص سے جس کو عوام کبھی مفتی اعظم کہتی ہو تو کبھی اپنا عظیم ترین روحانی پیشوا (HIS HOLINESS) مانتی ہو، اور اس سے بھی جس کو اپنے ملک کے انتہائی آنریبل (HONOURABLE) مقام پر بٹھا کر ''یور آنر'' (YOUR HONOUR) کہہ کہ بڑے ادب کے ساتھ مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہ یاد کیجئے اور بتائیے کہ کبھی آپ نے ان تمام صاحبان یا ان میں سے کسی ایک ہی کی زبان سے زندگی کے کسی موڑ پر، کسی بھی موقع پر یہ آسمانی جملہ سنا ہو کہ جب وہ آپ کو اپنے بارے میں یہ بتائے کہ **اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔** (18:110) جس کو سن کر ہم جیسے عوامی انسان کو تعجب ہو اور ہم اپنے جیسے دوسرے عوام کو یہ خبر سنائیں کہ بھائیو! ہمارا یہ لیڈر، ہمارا یہ روحانی پیشوا، ہمارا یہ مائی باپ ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ یہ کتنی عجیب بات کہہ رہا ہے کہ یہ ہمارے تمہارے جیسا ایک بشر ہے، یہ (ہم) تم جیسا ایک آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو وہی پانی یہ بھی پیتا ہے۔ ہم جس کسی کو بھی یہ خبر سنائیں تو وہ حیرت زدہ رہ جائے کہ یہ ہمارا صدر، یہ ہمارا بادشاہ، یہ ہمارا چیف جسٹس، یہ ہمارا کمانڈر ان چیف، یہ ہمارا مفتی اعظم، یہ ہمارا مذہبی اور روحانی پیشوا، دیکھو تو ہمارا یہ کیسا رہنما ہے کہ نہ صرف ہماری طرح کی روٹی پانی پر گزارہ کرتا ہے بلکہ ہم عوام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے، اس کے ساتھ اس کا ذاتی محافظ بھی کوئی نہیں ہے جو ہم عوام کو اس سے دور رکھنے کے لئے اس کے آگے آگے چلتا ہو۔ (25:7-9)، (23:33-34) پھر آپ یہ سوچئے اور یہ بتائیے، اپنے لئے سوچئے اور اپنے آپ کو بتائیے کہ صدر اور وزیراعظم کی کرسی پر بیٹھ کر، چیف جسٹس بن کر خود کو مفتی اعظم اور ہز ہولی نیس کہلانے والا اور نمبر ون سیلیبریٹی (CELEBRITY) اور ٹائیکون (TYCOON) بن جانے کے باوجود کیا کوئی شخص دنیا کے اس عظیم ترین انسان سے زیادہ بڑا بن جائے گا؟ ہماری دنیا کے عظیم ترین سپریم چیف جسٹس، دنیا کے سب سے بڑے اور آخری قانون دان اور قانون کی وضاحت کرنے والے (LAW DEFINING AUTHORITY) سے زیادہ جاننے والا اگر کوئی ہے تو بتائیے؟ آپ کا جواب یہی ہوگا کہ نہیں صاحب نہیں، دنیا میں کوئی انسان اس عظیم ترین رہنما سے بڑا کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے، ہر زمانے کے لئے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بنا کر بھیجا تھا۔ اب کوئی آنے والا نہیں آئے گا

کہ اللہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے آخری کتاب (قرآن) دے کر اب یہ سلسلہ بند کر دیا ہے۔

آج ہم سب اپنے آپ کو اس عظیم ترین انسان رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے انتہائی کم درجے میں دیکھتے ہیں۔ ہمارا ان سے کوئی جوڑ نہیں، کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ وہ سورج کی طرح روشن اور ہم اندھیروں میں رہنے والے، کیا کسی انسان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ سورج سے نظریں ملا سکے۔ ہم سب بونے (DWARF) ہیں۔ چھوٹے لوگ ہیں اور ان سے چھوٹا ہونے کے باوجود ہماری زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ بھائیو! میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، جو تم کھاتے ہو وہی میں کھاتا ہوں جو پانی تم پیتے ہو وہی پانی میں بھی پیتا ہوں۔ تم میں اور مجھ میں بس ایک ہی فرق ہے کہ میں تمہارا صدر ہوں، میں تمہارا وزیراعظم ہوں، میں تمہارا چیف جسٹس ہوں، تم نے مجھے اپنا مفتی اعظم بھی سمجھا ہوا ہے تو کبھی تم مجھے ہز ہولی نیس کہہ کر پکارتے ہو، ان سب کے باوجود دیکھو اور غور سے دیکھو کہ میں تمہاری طرح کا ہی انسان ہوں، عام انسانوں کی طرح رہتا ہوں اور عام لوگوں کی طرح بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہوں۔ اس لئے چلتا پھرتا ہوں کہ میں بھی تمہارے جیسا ہی ہوں۔

ہم نے یہ بات کسی ایسے انسان سے کسی ایسے بشر کی زبان سے نہیں سنی جو اپنے معاشرے کے لوگوں میں اعلیٰ مقام بھی رکھتا ہو، لوگ اس کو اپنا رہنما مانتے ہوں اور وہ اپنے لوگوں سے یہ کہے کہ بھائیو! میں تم جیسا انسان ہوں۔ آپ پھر یہ بھی سوچئے اور غور فرمائیے کہ اتنی بڑی اتنی عظیم ہستی جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بھی ہے، انہوں نے فرمایا، دیکھو اللہ نے مجھے تمہاری رہنمائی کے لئے یہ قرآن دیا ہے۔ پہلے میں اس قرآن پر ایمان لاتا ہوں اور عمل کرتا ہوں کہ میں ایک تو وہ ہوں کہ تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ (18:110) دوسرے یہ کہ میں تمہاری دنیا کا پہلا پہلا مسلم ہوں۔ (6:163) پہلے میں اس قرآن پر ایمان لاتا ہوں پہلے میں مسلم بنتا ہوں، اس کے بعد تم بھی ایمان لاؤ اور مسلم بن کر اس قرآن کے مطابق عمل کرو۔

آج اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو ہم اپنے لئے اسوۂ حسنہ (MODEL CHARACTER) سمجھتے ہوں تو ہمیں لازماً وہی کام کرنے ہوں گے جو قرآن مجید میں ہم پر فرض کر دیئے گئے ہیں، ہمیں کہیں نہ کہیں سے ابتداء کرنا ہی ہے۔ سب سے پہلے اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہنا ہوگا کہ میں تم جیسا ایک انسان ہوں، نہ صرف یہ کہنا ہوگا بلکہ اپنے عمل سے یہ ثابت بھی کرنا ہوگا کہ میں سچ مچ تم جیسا ہی ہوں جس طرح تم بازاروں میں چلتے پھرتے ہو اسی طرح میں بھی عام انسانوں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں، میرا کھانا پینا بھی وہی ہے جو تمہارا ہے۔ میں چونکہ تمہاری طرح کا انسان ہوں اس لیے تمہارے دکھ درد کو سمجھ سکتا ہوں، جب تم کسی تکلیف میں آتے ہو، کوئی مصیبت تم پر آتی ہے، تم کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر تمہارے آنسو میری آنکھوں میں بھی آجاتے ہیں، تمہارا رنج و غم مجھے اپنے دل میں محسوس ہوتا ہے، اس لیے کہ میں بھی تم جیسا ہی ہوں، تم کو خوش دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوتی ہے، تم کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر مجھے بھی اطمینان اور سکون ملتا ہے۔

عوام کا راہ نما اور ان کا ہمدرد بننے کے لیے عوام کے ساتھ رہنا ہوگا اور ''اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کہنا ہوگا۔ یہ بات جتنی آسانی سے کہہ

دیں گے، اتنی آسانی سے شاید ہم اس پر عمل نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے کسی ''بڑے آدمی'' کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ میں تم جیسا انسان ہوں (اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ) اس لئے نہیں سنا کہ وہ ہماری طرح کا عام آدمی ہے ہی نہیں، وہ اپنی ایئر کنڈیشنڈ اور بلٹ پروف کار میں گھومتا ہے جس کے آگے سائرن بجاتی پولیس کی گاڑیاں عوام کو اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے راستہ بناتے ہوئے دوڑتی ہیں۔ وہ ارمانی کا سوٹ پہنتا ہے جس کی سونے کی ٹائی پن میں ہیرے بھی جڑے ہوتے ہیں، رولیکس کی گھڑی باندھتا ہے، اس کے پاؤں میں رالف لارین کے جوتے اور آنکھوں پر گوچی کے سن گلاسز لگے ہوتے ہیں تو پھر وہ یہ کیسے کہہ دے گا کہ میں تم جیسا آدم ہوں، جو پانی ہم پیتے ہیں وہ پانی وہ نہیں پیتا جو کھانا ہم کھاتے ہیں وہ کھانا بھی وہ نہیں کھاتا، اپنے عوام سے اپنے ماننے والوں سے اپنے چاہنے والوں سے وہ جھوٹ کیسے کہہ دے گا کہ میں تم جیسا انسان ہوں اس لئے وہ یہ کہتا بھی نہیں ہے کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

کوئی یہ کہے یا نہ کہے کہ میں تم جیسا بشر ہوں ہم اور آپ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں ہم تمہارے جیسے انسان ہیں ..... اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ..... (14:11) ہم کوئی بھی ہو سکتے ہیں ہم پٹواری اور پیش کار بھی ہو سکتے ہیں اور مختار کار اور سب رجسٹرار بھی، ہم وکیل بھی ہو سکتے ہیں اور مجسٹریٹ بھی۔ ہم کونسلر بھی ہو سکتے ہیں اور تھانیدار بھی، ہم اسٹیٹ آفیسر بھی ہو سکتے ہیں اور ٹیکس آفیسر بھی، ہم گورنمنٹ سرونٹ بھی ہو سکتے ہیں اور پبلک سرونٹ بھی۔ چھوٹے بڑے اختیارات کے ساتھ ہم کچھ بھی ہو سکتے ہیں اگر ہم کچھ بھی نہیں ہیں تو پھر عوام تو ضرور ہیں۔ ایسی عوام جو ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک واضح حکم 2:188 میں پڑھئے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور تم علم رکھتے تو ہو (کہ ناجائز طریقے سے حاصل کئے ہوئے مال کا انجام کیا ہوا کرتا ہے)

یہ اتنا صاف اور واضح حکم ہے جس کو سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کی عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ سادے اور آسان لفظوں میں یہ حکم ہے کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز، باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ نہ ہی حکام کو رشوت دو۔ سوچئے کہ ہم میں سے کتنے فی صد لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے ہوں گے۔

ہم کون ہیں اور کیا ہیں۔ ہم سب اپنے اپنے مقام اور اپنی اپنی حیثیت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان، سیرت رسولؐ کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ بس ہم تھوڑے سے بزدل اور کمزور ہیں اس لئے عمل نہیں کرتے۔ کبھی ہم کو ہماری اولاد، بیوی بچے کمزور کر دیتے ہیں (8:28) تو کبھی ہماری ذاتی خواہشات ہماری قوت ختم کر دیتی ہیں۔ (28:50) اور کبھی زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی آرزو ہمیں زندگی کے اصل مقصد سے دور کر دیتی ہے۔ (102:1-2) کبھی شیطان ہمیں غریبی کے خوف سے ڈرا دیتا ہے۔ (2:268) ہماری بزدلی اور کمزوری کی سب سے بڑی وجہ آپس کے لڑائی جھگڑے بھی ہیں۔ اسی لئے تو ہمیں یہ بات بھی سمجھائی گئی کہ اللہ اور رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ

جائے گی۔ (8:46)

مسلمان ہوتے ہوئے زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر ہم بزدل ہوجاتے ہیں تو اس بزدلی کا بہت ہی خوفناک اور بھیانک انجام ہوسکتا ہے، ایسا نقصان جس کا ازالہ کسی طور ممکن نہ ہو۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ حسنہ بہادر اولوالعزم، طاقت ور اور مضبوط لوگوں کے لئے ہے۔ سیرت رسول اکرمؐ (MODEL CHARACTER) پر عمل کرنے کے لئے شیر کی ایک دن کی زندگی بھی بہت ہے۔ ایسے لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جنگ بدر میں اپنے سے بہت بڑے لشکر سے مقابلہ کر کے فتح حاصل کرتے ہیں تو دنیا کی ایک چھوٹی سی جنگ اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی جنگ بن جاتی ہے۔ سوچئے کہ اگر وہ بزدلی دکھا جاتے تو کیا آج ہم اور آپ مسلمان ہوسکتے تھے؟ مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا، جو بزدل ہوتا ہے وہ حالتِ ایمان میں نہیں ہوتا، مومن کی پوری زندگی جنگی بنیادوں (WAR BASIS) میں گزرتی ہے، اس لیے وہ زندگی کے کسی موڑ پر کمزور نہیں پڑتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زندگی کی مشکلات اور مصیبتیں بہت زیادہ ہوجاتی ہیں، بیرونی دشمنوں کی مداخلت کے ساتھ ساتھ اپنوں کی منافقت، سازشیں اور دھوکے بازیاں معاشرے کے امن وامان کو برباد کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے میں دل چاہتا ہے کہ فرار ہوکر کسی ایسے شہر، کسی ایسے ملک میں پناہ (ASYLUM) لی جائے جہاں اس طرح کے ہنگامے اور خون خرابے نہ ہوں۔ جنگ احزاب میں بھی ایسا ہی کچھ تھا جب جنگ کے علاوہ منافقین کے پیدا کردہ فتنے اور فساد اپنے عروج پر تھے، اس وقت لرزا دینے والے حالات پیدا ہوئے تو منافقین جن کے دل میں کھوٹ تھا۔ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ جانا چاہتے تھے (33:13)۔ لیکن مؤمنین کا جذبۂ صادقہ ابھر کر سامنے آیا اور انہوں نے پامردی سے اس کا مقابلہ کیا کیونکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ تھے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ ان میں سے کسی نے جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور کئی ایسی جاں سپاری کے منتظر رہے اور ان کے کردار میں ہرگز تبدیلی نہ آئی۔ (33:23)

اسوہ حسنہ، بہترین نمونہ کل ان کے لیے تھا آج ہمارے لیے ہے، یہ جاننے کے باوجود اگر ہم وہ کچھ نہیں کرتے جس کے لئے ہمیں قرآن دیا گیا ہے تو پھر اس وقت کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہئے کہ جب ہمارا تعارف ان لفظوں میں ہوگا۔ **وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا** (25:30) رسول اپنے رب سے کہیں گے کہ اے میرے رب! (یہ ہے) میری قوم (جس) نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (مہجور کر دیا تھا)۔

ہم آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتے، مایوسی کافروں کا مقدر ہوتی ہے، رسول اللہ کی یہ نصیحت یاد دلانا چاہیں گے (34:46)، پوری آیت اور ترجمہ دیکھئے: **قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ** اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں تم لوگوں کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، **اَنْ تَقُوْمُوْا** کھڑے ہوجاؤ (STAND UP)، **لِلّٰهِ** اللہ کے لئے **مَثْنٰى وَفُرَادٰى** دو دو اور ایک ایک کر کے **ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا** پھر سوچو (غور وفکر کرو AND THINK)، سوچئے کہ پورا قرآن ہی نصیحت ہے، اس نصیحت کے اندر ایک واحد نصیحت (PUNCH LINE) یعنی نصیحتوں میں ایک اہم ترین نصیحت، **مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ** (کہ یہ رسول جو) تمہارے صاحب ہیں جو تمہارے دوست ہیں۔ اگر

تم غور وفکر سے کام لے کر سوچو گے تو ان کی باتوں میں (معاذ اللہ) کوئی پاگل پن (MADNESS) نہیں ہے۔ تم غور وفکر کر کے دیکھو تو تم کو صاف نظر آجائے گا کہ ان کی ہر بات علم اور بصیرت کی بنیاد پر ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ○ اس علم وبصیرت کی روشنی میں وہ تم کو تمہاری غلطیوں کے تباہ کن نتائج سے، اس تباہی (عذاب شدید) کے آنے سے پہلے وارننگ دے رہے ہیں۔ (اس کے بعد کی آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ تم کو بے غرض ہو کر یہ باتیں سمجھا رہے ہیں۔ اس نصیحت میں ان کا کوئی ذاتی مقصد نہیں ہے۔ نہ ہی یہ تم سے کسی طرح کا کوئی اجر یا بدلہ مانگ رہے ہیں۔)

پورے قرآن کو آپ دیکھ جائیے اس میں فقط ایک نصیحت یہی ملے گی کہ کھڑے ہو جاؤ اور سوچو (STAND UP AND THINK) کھڑے ہو کر سوچیں گے تو آپ اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ کامیاب زندگی گزارنے کے لئے ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بہترین نمونہ (MODEL CHARACTER) ہے جو ہمارے انفرادی دکھ درد کا علاج بھی ہے اور اجتماعی مسائل کا مداوا بھی۔

☆.....☆.....☆

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION LAHORE



ALL COMFORTS AVAILABLE

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تحریر پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمایئے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546 Idara@toluislam.com

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

ساتویں قسط

نظریۂ اِرتقاء

Special Creation v/s Evolution

یہ صرف موجودہ انسان کا اعزاز ہے کہ اللہ نے اس کے لئے کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے 45:13۔ بااین ہمہ جناب یحییٰ کے بارے میں میرا حسن ظن یہی ہے کہ انہوں نے محض ارتقاء کے رَد میں یہ موقف اختیار کیا ہے۔ ورنہ یہی موقف رکھنے پر وہ ڈارون کو برا بھلا نہ کہتے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ انسان کو عنایت کی گئی روح یا ذات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے برعکس جناب فتح اللہ انسانی ذات کو بڑی اہم حیثیت دیتے ہیں۔ ان کے مطابق شعور کا تعلق زندگی (جسم) سے نہیں روح سے ہے۔ نیز یہ بھی کہ: "Life in man is deffirent than the soul or the spirit in man:

اس لئے شعور انسان کی بڑی اہم صفت ہے "The inspired conscience is great quality in man which makes him superior to many other creatures created by Allah with a marked perferment."

اور اس کرہ ارض پر تو "Man is created as the best of all creatures and is bestowed with inspired conscience."

یہاں فتح اللہ صاحب نے نفخ روح کا ذِکر کیا ہے۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر آیا ہے کہ بشر کو جب میں مکمل کرلوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں 15:29‘ 38:31‘ 32:9۔ علامہ پرویز نے اپنی تصانیف میں اس الوہیاتی توانائی کی وضاحت کی ہے۔ ان کے مطابق ’’الوہیاتی توانائی سے مراد ایسی توانائی جو مادہ کی پیداوار نہیں۔۔۔۔ انسانی ذات کیا ہے؟ یہ نہ بتایا جاسکتا ہے نہ سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کوئی مادی ’’شے‘‘ نہیں۔ انسانی ذات کا مظاہرہ اس کے اختیار و ارادہ سے ہوتا ہے۔۔۔۔ یہ توانائی خدا کی ذات کا حصہ نہیں‘‘۔ یعنی اپنی روح پھونکنے سے مراد ہے کہ توانائی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے جو اسے غیر نشوونما یافتہ شکل میں ملتی ہے۔ اور اس کی نشوونما کرنا ہی ’’روحانیت‘‘ ہے کیونکہ قوانین خداوندی کے تحت ’’جوں جوں انسانی ذات کی نشوونما ہوتی جاتی ہے‘ اس میں صفات خداوندی (حدودِ بشریت کے اندر) منعکس ہوتی جاتی ہیں‘‘۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے روح پھونکنے کی مثال ایک تصویر سے دی ہے کہ ’’اپنے ارتقا کی ہر منزل پر وہ اسی حد تک مکمل ہوتی ہے جس حد تک کہ وہ مصور کے تصور حسن یا آدرش کے قریب ہوتی ہے۔۔۔ جوں

جوں تصویر مصور کے آدرش کے قریب پہنچتی جاتی ہے وہ مصور کی شخصیت اور اس کی صفات کو زیادہ سے زیادہ منعکس کرتی جاتی ہے۔۔۔ اور جس قدر اپنے منبع کے قریب ہوتی ہے' اس قدر اپنے خالق کے اوصاف سے حصہ لیتی ہے' اسی قدر کامل اور ترقی یافتہ ہوتی ہے اور ہنر کار کے اوصاف کا آئینہ بنتی جاتی ہے''۔۔۔ گویا تصویر کو ارتقاء کے مدارج سے گزارتے ہوئے مصور اپنی روح اس میں پھونکتا ہے۔ اسی طرح جب انسان ارتقا کرتا ہے تو خدا کی صفات سے زیادہ سے زیادہ حصہ لیتا ہے''۔

ہارون یحییٰ فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) یا اچانک چھلانگوں (Quantum Jumps) کے نظریئے کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ نظریہ ان کے موقف کے زیادہ قریب ہے۔ دو ماہرین 'Mr. Eldridge' اور 'Mr. Gould' نے ایک ''تاکیدی توازن'' کا نظریہ وضع کیا تھا جس کے مطابق ''ارتقا معمولی تغیرات کے نتیجے میں نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا وجود تو اچانک اور بڑی تبدیلیوں کا مرہونِ منت ہے''۔ جناب یحییٰ اس ''تاکیدی توازن'' کو محض فریب نظر اور سراب کہہ کر مسترد کرتے ہیں۔ کوانٹم جمپ کے ضمن میں اس موضوع پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ جناب یحییٰ نے دستیاب فوسلز ریکارڈ میں ماہرین آثار قدیمہ کے درمیان پائی جانے والی مختلف آراء اور اختلافات کو بنیاد بنا کر بھی ارتقائی عمل کو مسترد کیا ہے۔ حالانکہ ارتقائی عمل فوسلز کا محتاج نہیں ہے۔ نہ ایک واضح اور مشاہدے میں آنے والی حقیقت ہے۔ فوسلز کے ذریعے ارتقاء کی وضاحت ہو سکتی ہے جو ہو رہی ہے۔ ان پر تحقیق اور تفتیش انسان ہی کرتے ہیں اور انسانی آرا میں اختلاف ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ ابھی چند سال پہلے اخبارات میں فوسلز کے بارے میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ ارجنٹائن میں کوہ ماشو کی پہاڑیوں میں ایک ایسے جانور کا فوسل دریافت ہوا ہے جو ماہرین کے اندازہ کے مطابق 87 کھرب سال پہلے کرہِ ارض پر موجود تھا۔ یاد رہے کہ جدید تحقیق کے مطابق کائنات 13.7 بلین سال پرانی ہے اور ہمارے اس کرہ ارض کی عمر ابھی صرف 4.5 بلین سال بتائی جاتی ہے۔

ہارون یحییٰ نے اپنی کتاب میں کائنات کو ایک حقیقت کا درجہ دے کر اس کی سائنسی تشریح کی ہے۔ وہ مادی کائنات کو عظیم خالق کی تخلیق سمجھتے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ میں۔ ''وہ خالق عظیم موجود ہے جس نے پوری کائنات تخلیق کی ہے جو ادراک کا لب لباب ہے۔ اور یہ ہستی لگاتار اپنی تخلیق جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ خالق اتنی حسین و جمیل مخلوق تخلیق کر رہا ہے' جس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس اس کی دائمی قوت اور طاقت ہے۔ یہ خالق اپنا تعارف خود ہم سے کراتا ہے''۔ یحییٰ صاحب نے واقعی بڑے خوبصورت انداز میں خالق کائنات اور اس کی تخلیق کا ذِکر کیا ہے۔ لیکن ایک باب میں انہوں نے اللہ کی اس تخلیق جو بقول ان کے بڑی حسین و جمیل ہے' کو محض خواب و خیال کہہ کر لکیر زد کر دیا ہے۔ وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ''جسے ہم مادی دنیا کہتے ہیں وہ خواب ہے جو روح دیکھتی ہے۔ جس طرح وہ جسم جو ہمارے پاس ہے اور وہ کائنات جسے ہم خواب میں دیکھتے ہیں' کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی' اسی طرح وہ جسم جو ہمارے پاس ہے اور وہ کائنات جو ہم دیکھتے ہیں کی بھی کوئی مادی حقیقت نہیں۔۔۔ وجود صرف اللہ ہی کا ہے ماسوائے اللہ کے ہر شے ایک سایہ

ہے۔۔۔ مادہ صرف حواس سے ترکیب پا کر وجود میں آیا ہے۔۔۔ مادہ چونکہ ایک ادراک ہے۔ لہٰذا ایک مصنوعی چیز ہے۔ یہ ایک سائنسی اور منطقی حقیقت ہے کہ خارجی دنیا کی کوئی مادی اصلیت نہیں۔ یہ ان خیالی تصاویر کا مجموعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مسلسل ہماری روح کو عنایت کر رہا ہے۔۔۔ انسان بھی ایک ظلی وجود رکھتا ہے''۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر آ کر سائنسدان ہارون یحییٰ ایک سخت گیر وجودی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کائنات کی مادی اور سائنسی تشریح کرتے ہوئے جناب یحییٰ صرف ارتقائی عمل کا انکار کرتے ہیں۔ مگر خود کائنات کے حقیقی انکار سے ان کا کہنا بجا لگتا ہے کہ جب کسی مادی شے کا وجود ہی نہیں تو ارتقاء کس کا ہوگا یعنی ذہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے۔ منکرین وحی کی طرف سے ایسے دعوے تو ہمیشہ سے ہی آتے رہتے ہیں کہ یہ کائنات حق نہیں بلکہ باطل ہے 28:27۔ لیکن وحی پر ایمان رکھنے والوں کی طرف سے اللہ کے فعل (کائنات) کو 'مایا'' (فریب محض) 'برہما کا خواب' سایہ اور محض فریبِ نظر قرار دے کر اس ''حسین و جمیل تخلیق کی بے حرمتی اور بے توقیری سمجھ میں نہیں آتی۔ مادہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے' یہ کوئی ناپاک اور قابلِ نفرت شے نہیں۔ مادی تصورِ حیات کا تعلق مادے کے خواص یا اجزاء سے نہیں بلکہ اس کا تعلق انسانی تصورات و نظریات سے ہے۔

حکماء اور دانشوروں کے درمیان زمانہ قدیم سے یہ بحث جاری ہے کہ یہ کائنات اور زمین وغیرہ جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں یا جو ہمارے ذہن میں موجود ہیں' کیا ان کا خارج میں کوئی مستقل وجود ہے یا یہ سب کچھ ہمارے تصوراتِ محض ہیں۔ جو لوگ انہیں محض تصورات کہتے ہیں ان کے مدرسہ فکر کا نام ''تصوریت'' ہے۔ اور جو انہیں ٹھوس اور حقیقی سمجھتے ہیں ان کا مدرسہ فکر ''حقیقت'' کہلاتا ہے۔ حقیقی کاروبار زندگی کے حوالے سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے ذہن سے باہر ایسی اشیاء کا وجود ہے جو قائم بالذات ہیں یعنی ہماری قوتِ مدرکہ اگر ان کا ادراک نہ بھی کرے جب بھی وہ وجود رکھتی ہیں۔ اگر وجود صرف ذہن میں ہی ہے تو پھر ہمارے کانوں میں یہ آواز کیسی آ رہی ہے؟ آنکھوں کے سامنے بدلتے ہوئے مناظر کیا ہیں؟ یہ بجلیاں یا اجالا اندھیرا کیا ہے؟ اس کے برعکس برکلے کا کہنا ہے کہ ہم مادی اشیاء کے وجود و خواص کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہیں وہ ہمارے اپنے احساسات کا نتیجہ اور انہی احساسات کی تشریح و توضیح ہے۔ افلاطون کے ''عالم امثال'' پر بات ہو چکی ہے جس کے مطابق یہ کائنات محض سایہ اور کسی دوسرے جہاں کا پرتو ہے۔ ارسطو نے عالم امثال کو بے سروپا قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں افلاطون کو بہت چاہتا ہوں لیکن حقیقت کو افلاطون سے بھی زیادہ چاہتا ہوں''۔ یہ بحث بڑی طویل ہے جو ماضی بعید سے چلی آ رہی ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔ اس بارے میں قرآنِ کریم کی تعلیمات پر پہلی قسط میں قدرے تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے۔

علامہ طالب جوہری نے اپنی تصنیف ''عقلیاتِ معاصر'' میں اس موضوع پر تفصیلاً لکھا ہے۔ ان کے مطابق تمام الہامی ادیان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ کائنات حقیقی ہے۔ حقیقت میں موجود ہے۔ محض وہم و خیال نہیں۔ اس کا ایک خالق ہے۔ کائنات ابدی نہیں بلکہ اس کا ایک آغاز و انجام ہے۔ کائنات اور انسان کی تخلیق کا ایک معین مقصد ہے''۔

قرآن پاک میں قصہ آدم کے تمثیلی بیان میں جو آیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیائے کائنات کے نام بتا دیئے''، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ نے انسان میں تحصیل علم کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ انسان اپنی اس منفرد صلاحیت کو نشو ونما دے کر عالمِ محسوسات یعنی کائنات کی پستیوں سے لے کر بلندیوں تک کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ جو اسے حیوانات سے متمیز اور ممتاز کرتی ہے۔ انسانی اِکتسابی علم کی ابتدا حواس (Senses) کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسے علم بالحواس یا ادراکی (Perceptual) علم کہا جاتا ہے۔ انسان اپنے حواس سے خارجی کائنات سے معلومات حاصل کرتا ہے۔ پھر انہیں قوتِ فیصلہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ جس نتیجے پر پہنچتی ہے اسے انسانی علم کہا جاتا ہے۔ اب اگر حواس معلومات نہ بہم پہنچائیں یا وہ معلومات درست اور ٹھوس ہونے کی بجائے محض خواب وخیال یا وہم و تخمین پر مبنی ہونگی تو ان معلومات پر مبنی علم بھی محض قیاس آرائی پر مبنی ہوگا۔ بلکہ اسے علم کہا بھی نہیں جا سکے گا۔ اس لئے علم حاصل کرنے کے لئے بھی کائنات کا حقیقی ہونا لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے انسان کو صرف عالم خلق (محسوسات) کے بارے میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت حاصل ہے عالم امر سے متعلقہ امور کے بارے میں وہ کچھ نہیں جان سکتا۔ لیکن جناب ہارون یحییٰ ایسا نہیں سمجھتے ان کے خیال میں ایک مومن کو جب مادے کے پیچھے پوشیدہ حقیقت کا ادراک ہوتا ہے تو وہ بے حد خوش ہو جاتا ہے۔ ''کیونکہ یہ حقیقت تمام سوالات کی کنجی ہے۔ اس کلید سے تمام رازوں کے قفل کھولے جاتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے سوالات کہ موت، جنت، دوزخ، آخرت، تبدیل ہونے والی جہتیں کیا ہیں؟ اور اس قسم کے سوالات مثلاً ''اللہ کہاں ہے''! ''اللہ سے پہلے کیا تھا''، ''اللہ کو کس نے پیدا کیا''؟ قبر کے اندر قیام کی مدت کتنی ہوگی''؟ ''جنت اور جہنم کہاں ہیں''؟ اور ''اس وقت جنت اور جہنم کہاں ہیں''؟ کا جواب بڑی آسانی کے ساتھ دیا جائے گا۔ ''یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ اللہ کس نظام کے تحت اس پوری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے''۔ قرآن پاک میں محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے دو الگ الگ الفاظ آئے ہیں۔ ایک خلق اور دوسرا خلق کے مقابلہ میں امر 7:54۔ علامہ پرویز کہتے ہیں کہ خلق پیدائش کا وہ مرحلہ ہے جب اشیاء بالعموم اپنی محسوس شکل میں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے اس طرح وجود میں آنے سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جب یہ ہنوز تدبیری حالت (In the process of becoming) میں ہوتی ہیں یہ ''تدبیری مرحلہ'' عالم امر سے متعلق ہے۔۔۔ یہ امر کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح متشکل ہوتا ہے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ ہمارا علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے۔ اور یہ امور محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں''۔

ڈاکٹر محمد آصف نے اپنی کتاب ''اقبال کا تصورِ ارتقاء'' میں انسان کی بعثت کے بعد اس کے جسمانی پیکر پر بحث کے دوران علامہ شبلی نعمانی کا ایک اقتباس دیا ہے۔ جس میں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ۔ ''بات یہ ہے کہ ہم انہی باتوں کو سمجھ سکتے ہیں جن کی مثالیں اور نظیر اس مادی دنیا میں ہماری نگاہوں سے گذرتی ہیں اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور بلکہ تصور سے بھی دور ہو اس کی باتوں کو اس طرح سمجھنا

کہ ہر سوال اور تکرارِ سوال سے ہم بے نیاز ہو جائیں تقریباً ناممکن ہے''۔ جناب یحییٰ نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کا تعلق اسی نادیدہ شہرستانِ بقا یعنی عالم امر سے ہے جس کے متعلق دیگر کئی غیر مسلمانوں کی طرح ایک نہایت ہی قابل احترام دانشور سر فرینک ینگ ہسبند بھی یہی کہتے ہیں کہ ''ہم فطرت کے متعلق سب کچھ معلوم نہیں کر سکیں گے۔ جو علم ہم حواس کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اس کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ محسوسات تو فطرت کی گہرائیوں کے ابھرے ہوئے جزیرے ہیں۔ ہم صرف فطرت کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔۔۔ لیکن جوں جوں ہم ان گہرائیوں میں جاتے ہیں یہ حقیقت پختہ ہوتی جاتی ہے کہ ان کے پیچھے کوئی ایسی قوت ہے جو ہماری نگاہوں سے پنہاں ہے۔ اس قوت کو جاننے کی آرزو ہمارے دل میں ہمیشہ مچلتی رہے گی۔ لیکن شاید یہ کبھی معلوم نہیں ہو سکے گی''۔ مادے کے پیچھے پوشیدہ حقیقت''، یا ''ان گہرائیوں کے پیچھے ہماری نگاہوں سے پنہاں قوت'' اللہ کی ذات ہے جس نے اپنا تعارف اپنی ذات کے حوالے سے نہیں بلکہ اپنی صفات کے ذریعے کرایا ہے۔ اللہ کی ذات کے بارے میں انسان کچھ بھی نہیں جان سکتا اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اپنے وہم وگمان کو بنیاد بنا کر اللہ کی ذات کے بارے میں خود ساختہ مثالیں مت گھڑو۔ اللہ کی کنہ وحقیقت صرف خود اللہ ہی جانتا ہے۔ تمہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں 16:74۔ لیکن جناب ہارون یحییٰ بضد ہیں کہ مومن صرف اللہ کی ذات کے بارے میں ہی نہیں بلکہ اللہ کے خالق (نعوذ باللہ) کے بارے میں بھی جان سکتا ہے۔ تحصیل علم کی صلاحیت انسان کو عطا ہوئی ہے۔ مومن اور غیر مومن کی کوئی تخصیص نہیں۔

چارلس ڈارون کو عام طور پر قدرتی انتخاب کے ذریعے ارتقاء کے نظریے کا بانی کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر حقائق کی بنیاد پر دیکھا جائے تو یہ خیال درست ثابت نہیں ہوتا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ نظریۂ ارتقاء کسی ایک شخص کے دماغ کی پیداوار نہیں۔ یہ نظریہ خود ارتقائی مراحل سے گذرا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ آئے ہیں کہ ڈارون سے صدیوں پہلے مسلم حکماء مثلاً ابن مسکویہ، ابن ماجہ، مولانا رومی، البیرونی اور ابن خلدون وغیرہ اس موضوع پر طبع آزمائی کر چکے تھے۔ قرآنی آیات 51:49، 53:12 میں آیا ہے کہ اللہ نے ہر شے کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ اس پر بحث کے دوران علامہ پرویزؒ ابلیس وآدم میں لکھتے ہیں۔ ''سطح بین نگاہوں کے نزدیک یہ تحقیق (نباتات میں جوڑے) بھی دورِ حاضرہ کی ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ صرف نباتات میں نر ومادہ کے امتیاز کا علم بلکہ اصولی طور پر خود نظریۂ ارتقاء، مغربی محققین سے بہت پہلے مسلمان حکماء دریافت کر چکے تھے۔ اس باب میں حکیم ابن مسکویہ (المتوفی 421ھ کی معرکہ آراء تحقیق دنیائے علم میں ایک خاص امتیازی شان رکھتی ہے''۔ ہر چند کہ لوگوں نے ڈارون کی طرف کچھ غلط باتیں بھی منسوب کر رکھی ہیں۔ لیکن خود ڈارون نے 19 ویں صدی کے علماء طبعیات کے میکانکی تصور کے تحت نظریہ ارتقاء کو بغیر کسی مقصد، اصول، ارادہ یا سکیم کے ظاہر کر کے اسے اندھی قوت (Blind Force) کے حوالے کر دیا تو اس کی وجہ سے اکثر لوگ ارتقاء کا صرف نام سن کر کانوں میں انگلیاں ڈال کر توبہ استغفار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے الحادی اور بے دینی نظریہ خیال کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دِنوں روزنامہ ایکسپرس راولپنڈی میں مولانا حسرت موہانی پر ایک ڈاکٹر صاحب کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں مولانا کی دینی خدمات کا ذکر کرتے

ہوئے ڈاکٹر صاحب نے سخت تعجب کا اظہار کیا تھا کہ مولانا جیسا مابعد الطبعیاتی انسان نظریہ ارتقاء کا قائل ہے جبکہ یہ نظریہ مابعد الطبعیات کا منکر ہے۔ارتقاء کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمیوں کی وجوہات کا ڈاکٹر رفیع الدین کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے۔

ڈارون نے ایک نیچری (Naturalist) کی حیثیت سے پرندوں' کیڑے مکوڑوں' مچھلیوں' مونگوں اور دیگر کئی جانداروں کے علاوہ مفید ارضیاتی معلوت اور نمونے اکٹھے کئے۔ بڑی لگن سے ان نمونوں اور فوسلز کا مطالعہ کیا۔ان پر تحقیق کر کے علم حیاتیات میں جدید علم اور نئے رجحانات کی مدد سے اضافہ کیا۔نظریۂ ارتقاء کی ترقی میں یقیناً اس کا اہم کردار ہے۔لیکن بعد میں نئے نئے علوم کے ساتھ ساتھ ڈارون کے وضع کردہ میکانکی اور سائنسی تصورات کا ابطال شروع ہو گیا جس کے نتیجے میں اب اس کے زیادہ تر تصورات محض ایک تبرک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ڈارون کی زندگی میں ہی اس کے ناقدین موجود تھے ان کا ذکر آگے آئے گا۔ جہاں تک 19 ویں صدی کے میکانکی تصور کا تعلق ہے تو اس نظریے کے برعکس اب خود مغربی دانشور اسے باطل قرار دے کر اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ تمام سلسلہ کائنات ایک عظیم الشان مقصد کے ماتحت وجود میں لایا گیا ہے۔ان علمائے مغرب میں ڈاکٹر ہنس ڈریش' سر جیمز جینز' پروفیسر جوڈ' پروفیسر جان کیئرڈ' بریڈ ہائل' پال ڈیویز' تاریخ تہذیب کا مشہور عالم رابرٹ بریفالٹ اور کئی دوسرے حکماء شامل ہیں۔ ارتقائی عمل اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔لیکن انسانی فکر نے اس کی اور بھی اِقسام تک رسائی حاصل کی ہے۔ایک Emergent Evolution۔پھر برگسان کا Creative Evolution' Mutation' Spore اور Quantum Jump وغیرہ سب ان اِقسام کا حصہ ہیں۔تبدیلی واحد شئے ہے جو ان سب میں پائی جاتی ہے۔باقی جزئیات اور تفاصیل میں ان نظریات کے علمبردار باہم گر متفق نہیں ہیں۔

نظریہ ارتقاء کے بارے میں ڈارون کے نظریات بڑے مشہور اور معروف ہیں اور ان کی بڑے پیمانے پر تشہیر بھی کی جاتی ہے۔مگر ڈارون کی ذاتی زندگی کے حالات وواقعات پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے ڈارون کی شخصیت اس کے ذاتی رجحانات واحساسات' اس کے خیالات' اس کی نفسیاتی الجھنیں' اس کی روادار طبیعت اور دیگر روائتی ادب وآداب غرض یہ کہ اس کی ذاتی زندگی کے تقریباً تمام احوال پس منظر میں چلے گئے ہیں۔ارتقاء کے بارے میں اس کے مادہ پرستانہ نظریات اپنی جگہ لیکن ذاتی لحاظ سے وہ ایک معقول شخص تھا۔چارلس رابرٹ ڈارون 12 فروری 1809ء کو برطانیہ میں پیدا ہوا۔اسی دن امریکہ میں صدر ابراہیم لنکن کی پیدائش ہوئی تھی۔ڈارون کا والد ایک کامیاب ڈاکٹر تھا۔وہ اپنے بیٹے کو ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا۔اس نے والد کی خوشی کے لئے ایڈنبرا کے ایک میڈیکل کالج میں داخلہ بھی لے لیا۔لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔اسے تاریخِ فطرت سے زیادہ دلچسپی تھی۔اس کا والد تنگ آ کر اسے طرح طرح کے کوسنے سناتا۔''تمہیں صرف شکار سے دلچسپی ہے' بلی اور چوہے پکڑتے ہو' کتوں سے دل لگاتے ہو اور تم اپنے اور خاندان کے لئے ننگِ نام ہو''۔بعد میں ڈارون نے قانون کی طرف بھی رجوع کیا لیکن اس میں بھی اس نے زیادہ دلچسپی نہ لی۔ بالآخر قدرے

مشکلات کے بعد اس نے کیمبرج سے مذہبی تعلیم 'Divinity' میں ڈگری حاصل کر لی۔ اب وہ چرچ میں پادری کی آسامی پر تعیناتی کا منتظر تھا کہ حالات نے اچانک پلٹا کھایا۔ اسے بحریہ کے ایک مطالعاتی جہاز 'H.M.S. Beagle' میں سفر کی پیشکش ہوئی۔ اسے کوئی خاص کام تفویض نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی تنخواہ تھی۔ یہ پیشکش اسے جہاز کے کپتان رابرٹ فزرائے کی طرف سے کی گئی تھی۔ بقول برائسن کیپٹن کو ڈارون کی ناک پسند آ گئی تھی۔ لیکن پروفیسر برونو مسکی کا کہنا ہے کہ کیپٹن کو اس کی ناک پسند نہیں تھی۔ بہرحال یہ مہم 1831ء کے آخر میں جنوبی امریکہ کی طرف روانہ ہوئی۔ کیپٹن فزرائے دراصل جنون کی حد تک ٹھوس طریقے سے تخلیق کے عمل کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈارون جسے پادری ہونے کی حیثیت سے مکمل تربیت دی گئی تھی' اس معاملے میں اس کا دستِ راست بن سکتا ہے۔ لیکن بعد ازاں ڈارون نے جب جدید رجحانات کا اظہار کیا جو عیسائیت کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھے تو دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گئے۔ یہ دونوں جہاز کے ایک چھوٹے سے کیبن میں رہتے تھے۔ دونوں میں سخت جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ فزرائے کو غصے کے دورے بھی پڑتے تھے۔ بقول بل برائسن ''عام حالات میں بھی لوگ سمندری سفر کے دوران نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بیگل کے سابقہ کپتان نے اسی طرح غصے کی حالت میں اپنے سر پر گولی مار کر خودکشی کر لی تھی''۔ فزرائے نے بھی 1865ء میں خودکشی کر لی تھی۔ 1831ء سے 1836ء تک پانچ سال کا عرصہ جو ڈارون نے جہاز کے عرشے پر گذارا وہ معلوماتی لحاظ سے بہت ہی مفید رہا۔ اس عرصے میں اس نے جنوبی امریکہ' گالاپاگوس اور دیگر کئی مقامات سے مختلف قسم کے پودوں اور جانوروں کے خاصی تعداد میں نمونے جمع کئے۔ یہ نمونے ڈھیروں کی تعداد پر مشتمل صندوقوں میں پڑے تھے جس کی جانچ پڑتال کے لئے کافی مدت درکار تھی۔ واپسی کے چھ سال بعد 1842 میں اس نے اپنے خیالات کو قلمبند تو کر لیا لیکن حیرت انگیز طور پر اپنی کتاب شائع کرنے کی بجائے اپنے ملفوظات کو صندوق میں بند کر کے بیوی کے لئے وصیت لکھ دی کہ میری موت کے بعد انہیں شائع کرا دینا۔ بقول برونو مسکی وہ انہیں شائع کرانے سے ہچکچا رہا تھا اور یہ شاید اس کی زندگی میں منظر عام پر نہ آتیں اگر ایک بالکل مختلف شخص تجربات کے انہی مراحل سے نہ گذرا ہوتا جنہوں نے ڈارون کو ان نتائج تک پہنچایا تھا۔ وہ بہت اہم شخص الفریڈ رسل ویلس تھا''۔ یہاں سے یہ کہانی ایک نیا رخ اختیار کر لیتی ہے۔

ڈارون کے دادا ارامس نے برسوں پہلے اپنی نظم ''ٹمپل آف نیچر'' میں ارتقائی اصولوں کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔ مگر اس نے چڑیوں کی چونچوں میں پرکشش تنوع کے مشاہدے کے بعد نظریۂ ارتقاء کو اپنایا۔ لیکن بل برائسن نے اس واقعہ کو جعلی قرار دیا ہے۔ درحقیقت ڈارون کے ذہن میں ارتقاء کا تصور اپنے بحری سفر سے واپسی کے بعد تھامس مالتھوس کا ایک مضموں "Essay on the principal population" پڑھ کر آیا۔ مضمون میں یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ غذا کی پیداوار میں اضافہ حساب کتاب کی رُو سے آبادی کے روز افزوں اضافے کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہاں ڈارون کے ذہن میں یہ خیال سر اٹھانے لگا کہ زندگی ایک مسلسل

کشمکش ہے اور قدرتی انتخاب ہی ایک واحد ذریعہ ہے جس سے کچھ باصلاحیت نسلیں زندہ رہتی ہیں اور جو نسلیں ان صلاحیتوں سے محروم ہوجاتی ہیں وہ نیست و نابود ہوجاتی ہیں۔ قدرتی انتخاب کے ذریعے ارتقاء کی تھیوری 19 ویں صدی کی سب سے اہم اور واحد سائنسی جدت تھی۔ ڈارون نے اپنی بقیہ زندگی اسی نظریہ کی افزائش پر بسر کی۔ تاہم اس نے 'Survival of the fittest' کا محاورہ کبھی بھی استعمال نہیں کیا۔ گو اس نے اس کی تعریف ضرور کی تھی۔ یہ محاورہ ہربرٹ سپنسر نے اپنی کتاب ''پرنسپلز آف بائیولوجی'' میں استعمال کیا تھا جو ڈارون کی کتاب ''آن دی اوریجن آف سپیشیز'' کے پانچ سال بعد شائع ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ اس فقرہ کے مشہور اور معروف ہونے کے بعد بھی اس نے اس فقرے کی بجائے "Descent of modification" کی اصطلاح لکھی تھی۔ مالتھوس کی کتاب پڑھنے کے بعد ڈارون نے پرمسرت لہجے میں کہا کہ ''آخر کار میرے ہاتھ کام کرنے کے لئے یہ تھیوری آ گئی''۔ لیکن چار سال تک اس نے یہ تھیوری کاغذ پر منتقل تک نہیں کی۔ 1842ء میں جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں' ڈارون نے اپنے خیالات کو قلم بند کیا تھا۔

پروفیسر برونو مسکی کا کہنا ہے کہ ''ہم محسوس کرتے ہیں کہ ڈارون اپنی تھیوری کو چھپوانے سے پہلے مرجانا چاہتا تھا اگر مرنے کے بعد اسے پہلا شخص تسلیم کرلیا جائے۔ یہ عجیب و غریب کردار ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی نمائندگی کرتا ہے جو جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ عام پبلک کے لئے بے حد صدمے کا باعث ہوگا اور خود اس کی بیوی کے لئے تو یقیناً''۔ بہرحال ڈارون بیس سال سے بہت محتاط اور خاموشی سے اس تھیوری پر کام کر رہا تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ اس کا یہ مسودہ اس کی موت تک یونہی پڑا رہتا لیکن 18 جون 1858ء کو اسے اچانک مشرق بعید سے ایک دھچکا موصول ہوا۔ یعنی خطرے کا سائرن بجنا شروع ہوگیا۔ ایسا خطرہ جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ خطرہ ایک بنڈل بمعہ ایک دوستانہ خط کی شکل میں تھا جو اسے ایک نوجوان ماہر فطرت الفریڈ رسل ویلس نے مشرق بعید سے ارسال کیا تھا۔ خط کے ساتھ ایک مسودہ تھا جس کا عنوان تھا

"Tendency of Varties to depart indefinitaly from original types."

اس میں ارتقاء اور بہترین کے انتخاب کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا گیا تھا وہ بہت حد تک ڈارون کے نظریہ کے مشابہ تھا۔ اس دن ڈارون نے بڑی حیرت بلکہ مایوسی کی حالت میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ ''اس سے پہلے مجھے اتنے حیرت انگیز اتفاق کا سامنا نہیں ہوا۔ اگر ویلس نے 1842ء میں میرا مسودہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوتا تو بھی اس کے مقالے میں اتنی حیرت انگیز یکسانیت ناممکن تھی''۔ ویلس 1823ء میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ خود کہتا ہے۔ ''اگر میرے والد تھوڑے سے بھی مالدار ہوتے تو میری زندگی کی شکل کچھ اور ہوتی''۔ اسے کسی ذریعہ آمدنی کی ضرورت تھی اس کے لئے اس نے زمین کی پیمائش (Survey) کا پیشہ اختیار کرلیا جس میں یونیورسٹی کی ڈگری کی ضرورت نہیں تھی پچیس سال کی عمر میں اس نے کل وقتی نیچری ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کا مطلب تھا کہ پیٹ پالنے کے لئے اسے مختلف ممالک میں جا کر حیات کے نمونے جمع کرنے پڑیں گے اور انہیں برطانیہ کے میوزیم کے ہاتھ بیچنے پڑیں گے۔ چنانچہ 1848ء میں وہ اپنے دوست 'Bates' کے ساتھ سوپونڈ لے کر جنوبی امریکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

پھر امیزون میں ہزار میل سفر کے بعد وہ (Manans شہر تک گیا جہاں امیزون 'Rio Negro' سے ملتا ہے۔ اس سفر میں اسے بڑی تکالیف جھیلنا پڑیں۔ وہ ایسے نمونے جمع کرنا چاہتا تھا جو اس سے پہلے دریافت نہ ہوئے ہوں۔ وہ انتہائی خطرناک علاقوں میں گیا' قدیم ترین ریڈ انڈین قبائل کے ساتھ رہا اور بڑے قیمتی اور نایاب نمونے لے کر 'Manan' سے واپس برطانیہ کے لئے روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے جہاز میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ سب کچھ جل گیا وہ دیگر مسافروں کی طرح اپنی جان بچا کر گھر واپس آ سکا۔

ہر چیز ضائع ہونے اور دیگر کئی مشکلات کے باوجود نوجوان ویلس ہمت نہیں ہارا اور ایک لمبے سفر کے بعد مشرقِ بعید پہنچ گیا۔ وہاں ایک رات اس نے مالتھوس کی وہی کتاب پڑھی اور اس کے ذہن میں بھی وہی تشریح آئی جو ڈارون کے ذہن میں آئی تھی۔ بقول اس کے ''اسی وقت میری سمجھ میں آ گیا کہ جو مخلوق اپنے ماحول سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی وہ ختم ہو جاتی ہے اور جو مطابقت پیدا کر لیتے ہیں ان سے نسل چلتی ہے''۔ ویلس کو یہ تو معلوم تھا کہ ڈارون کو اس موضوع سے دلچسپی ہے۔ لیکن وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ وہ گذشتہ بیس سال سے اس تھیوری پر کام کر رہا ہے۔ اسی لئے اس نے بڑی جلدی سے اپنی تھیوری مکمل کر لی اور بڑی خوشی سے اسے ڈارون کو بھیج دیا۔ ان دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ویلس تو صورت حال سے بے خبر تھا لیکن ڈارون کو اس نئی صورت حال نے ذہنی کشمکش میں ڈال دیا۔ ہر چند اس نے ویلس پر اشاروں' کنایوں میں واضح کر دیا تھا کہ نظریۂ ارتقاء پر اس کی اجارہ داری ہے لیکن عملی طور پر اس نے کچھ بھی نہ کیا۔ دراصل ڈارون اخلاقی اقدار کا پاس کرنے والا ایک شریعت دار اور وضع دار شخص تھا۔ وہ اپنی کتاب چھپوانے میں اس لئے لیت و لعل سے کام لے رہا تھا' بقول بل برائسن ''ڈارون عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا۔ اگر اپنی فوقیت برقرار رکھنے کے لئے وہ بھاگ دوڑ کر کے جلدی میں اپنی کتاب چھپوا دیتا تو یہی خیال کیا جاتا کہ اس نے ایک معصوم مداح کے مہیا کردہ اشارے سے فائدہ اٹھایا ہے جو خود یہاں موجود نہیں اور اگر وہ بطور ایک مرد شریعت کے کنارہ کشی کر لیتا تو اسے اس نظریے سے ہاتھ دھونے پڑتے جسے اس نے مدتوں خونِ جگر سے سینچا تھا''۔ اس نظریے کا حق دار یقیناً ڈارون ہی تھا اگر ویلس اس نظریے کو ڈارون کے ناک کے نیچے سے اچک لیتا تو واقعی ناانصافی ہوتی۔ تاہم ویلس کو اس کا احساس ہو گیا کہ واقعی ڈارون ہی اس کا صحیح حقدار ہے اور کچھ دوستوں کی مداخلت سے بالآخر ڈارون کی کتاب 1859ء میں منظر عام پر آ گئی۔ ویلس کے برعکس سکاٹ لینڈ کے ایک باغبان نے ڈارون پر الزام لگا دیا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے کر میرے خیالات کا علمبردار بن گیا ہے۔ ڈارون کی شرافت اور فراخ دِلی دیکھئے کہ اس نے رواداری میں اس چھوٹے شخص سے بھی معافی مانگ لی تھی۔ دراصل وہ یہ کتاب شائع کرانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ بل برائس کہتے ہیں ''ڈارون اپنے نظریات کے ہاتھوں دکھ اٹھاتا رہا اس نے خود کو 'Devil's Chaplain' یعنی شیطان کا شاگرد کا نام دیا اور کہا کہ اس نظریے کا انکشاف کر کے اس نے گویا قتل کا ارتکاب کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی پرہیزگار اور بیچاری بیوی کو اس نظریے سے بہت دکھ پہنچا۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق
ذاتی مشیر، منفرد مفکرِ قرآن و بانی تحریک طلوعِ اسلام اور تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ

علامہ غلام احمد پرویز کی تصنیفات 2013

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد	نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)	*	1500	مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں	150	300
(تین جلدوں میں ـــــ فی جلد)	*	500	انسان نے کیا سوچا؟	300	600
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)	*	1600	اِسلام کیا ہے؟	200	400
(چار جلدوں میں ـــــ فی جلد)	*	400	کتاب التقدیر	300	600
تبویب القرآن (مجلّد)	*	*	جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	200	400
تبویب القرآن (تین جلد میں)	*	*	شاہکارِ رسالت (سیرتِ فاروقِ اعظمؓ)	350	*
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ ـــــ سورہ فاتحہ تا سورہ الحجر)	1900	3800	نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	300	600
مطالب الفرقان (جلد اول)	250	500	تصوف کی حقیقت	300	600
مطالب الفرقان (جلد دوم)	250	500	قرآنی قوانین	150	300
مطالب الفرقان (جلد سوم)	300	600	سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	200	400
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	300	600	سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	200	400
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	300	*	سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	250	500
مطالب الفرقان (جلد ششم)	300	600	طاہرہ کے نام خطوط	200	400
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	200	400	ختمِ نبوت اور تحریکِ ''احمدیت''	150	300
من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	250	500	حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (قائدِ اعظمؒ)	*	100
اِبلیس و آدم	250	500	اقبالؒ اور قرآن (اول۔دوم)	300	600
جُوئے نور	250	500	مجلس اقبالؒ۔اول (شرح مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی)	300	600
برقِ طور (داستانِ حضرت موسیٰؑ)	250	500	مجلس اقبالؒ۔دوم (شرح مثنوی پس چہ باید کرد...)	*	200
شعلۂ مستور (حضرت عیسیٰؑ کی داستان)	250	500	قائدِ اعظمؒ کے تصور کا پاکستان (مجموعۂ مقالات و خطبات)	200	400
معراجِ انسانیت (سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ)	300	600	بہارِ نو (مجموعۂ مقالات و خطبات)	200	400

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
ISLAM: A Challenge to Religion	300	600
Exposition of the Holy Quran	*	2000
The Book Of Destiny	300	600
Reasons for Decline of Muslims	*	300
Islamic Way of Living	100	200
Letters to Tahira	*	500
Quranic Laws	*	400
The Quranic System of Sustenance	*	600
Did Quaid-e-Azam Want to Make Pakistan a Secular State?	*	100
اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام وہدایات)	100	200
اسبابِ زوالِ امت	100	200
جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	*	150
خدا اور سرمایہ دار (مجموعہ مقالات وخطبات)	*	400
سلسبیل (مجموعہ مقالات وخطبات)	200	400

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات وخطبات)	200	400

متفرق کتب

مقامِ حدیث	200	400
قرآنی فیصلے (جلد اول)	300	600
قرآنی فیصلے (جلد دوم)	300	600
قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	*	150
مزاج شناسِ رسول	150	300
تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق	300	*
The Best Of A.S.K. Joommal	*	600
The Pakistan Idea	*	200
Woman - Recreated	*	200
The Bible - Word of God or Word of Man	*	300
The Holy Quran and our Daily Life	*	300

کتابیں ملنے کا پتہ

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
25 بی، گلبرگ 2، لاہور
فون نمبر: 35764484, 35753666
trust@toluislam.com
www.toluislam.com

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 01720041073503، حبیب بینک لمیٹڈ، مین مارکیٹ گلبرگ برانچ، لاہور۔

ان قیمتوں میں ڈاک خرچ اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز رسول
erasool@aol.com

اکثریت قرآن کی طرف کیوں نہیں آتی؟

کیا ہمیں قرآن کی ضرورت ہے؟ اگر ہم دُنیا میں اپنے اِردگرد دیکھیں تو کہیں بھی قرآن کی بات نہیں ہوتی۔ مغربی دُنیا میں کبھی کبھی دہشت گردی کے سلسلہ میں قرآنی تعلیم کو بھی نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند آیات کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق پیش کیا جاتا ہے۔ اور پھر کہا جاتا ہے کہ قرآن اپنی تعلیم کی وجہ سے دہشت گردی کا مسلمانوں کو جذبہ محرکہ دیتا ہے۔

مسلمانوں میں عام طور پر قرآن کو اللہ کی کتاب مانا جاتا ہے۔ اور بچپن سے ہی قرآن کے ساتھ جذباتی اُنس ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن بحیثیت تعلیم اور کتاب کے بہت کم سمجھی جاتی ہے۔ اس پر میں نے بہت ریسرچ کی ہے اور یہ میں اِس آرٹیکل میں پیش کرنا چاہوں گا۔

انسان بنیادی طور پر جذباتی ہے اور پسند کرتا ہے کہ جذبات کے ہی لیول پر زندگی گذارے۔ جذبات جانوروں میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری قوت گویائی کی وجہ سے ہم جذبات کو بہتر طور پر بیان کر سکتے ہیں۔ ماڈرن سائیکالوجی کے مطابق ہر انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی خوشی (Happiness) کو بڑھائے اور اپنے غم اَور درد (Pain) کو کم کرے۔ اِس کوشش میں انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ Clash یا ٹکراؤ ہونا ضروری ہے۔ اِس لئے سوسائٹی میں اقدار یا (Values) لانی پڑتی ہیں تا کہ انسانوں کے درمیان لڑائی وغیرہ کو روکا جا سکے۔

جذباتی لیول سے اوپر انسان کی Rational Thinking آتی ہے۔ اِنسان انہی سوچوں کو پلاننگ وغیرہ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ Thinking about thinking صرف انسانی خصوصیت ہے۔ جانور بھی سوچتے ہیں لیکن اُن کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ وہ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔ اِس خصوصیت کی وجہ سے انسان کے پاس قوت فیصلہ آ جاتی ہے۔ اور یہاں سے ہی انسان کے اندر نفس کی زندگی شروع ہو جاتی ہے اور نفس کا ہونا ہی انسانی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے انسان فیصلہ کرتا ہے کہ اُس نے زندگی میں کونسا راستہ اختیار کرتا ہے۔

انسان کے اندر Free Will یا قوتِ فیصلہ ہونے کی وجہ سے، کوئی بھی ہدایت نہیں ہوتی یا رکھی ہوتی۔ عام طور پر جس کو ضمیر یا

شعور (Consience) کہا جاتا ہے یہ دراصل وہ اقدار ہوتی ہیں جو کہ بچوں کو اپنے ماحول سے ملتی ہیں۔ مثلاً بچے مذہبی ماحول میں اگر بڑھے ہونگے تو وہ مذہب کو Follow کریں گے یا پھر بعد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد خود فیصلہ کر کے کوئی دوسرا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ اس لئے ضمیر کو بعض اوقات Internalised Society بھی کہا جاتا ہے۔ تمام انسان جس بھی معاشرہ میں پیدا ہوتے ہیں اور رہتے ہیں وہ اُس معاشرہ کی اقدار کو اپنا لیتے ہیں جو تھوڑا بہت سوچتے ہیں وہ بھی مجبور ہو جاتے ہیں کہ اکثریت کے مطابق چلیں کیونکہ یہ آسان راستہ ہے۔ انسان کی ایک اور مجبوری اُس کی ضروریات زندگی ہیں۔ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے عام طور پر انسانوں کو کافی تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اور خاص کر مذہبی آدمی کے لئے کم ہی وقت ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی تگ و دو سے باہر سوچ سکے۔

یہاں تک ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اگرچہ انسان کے پاس فیصلہ کی قوت ہے۔ لیکن اُنکے پاس فیصلہ کرنے کی اقدار نہیں ہیں۔ جذبات انسان کو اپنی خوشی کو بڑھانے اور غم کو کم کرنے کی طرف لے جاتے ہیں۔ انسان اپنی عقل کو زیادہ تر اپنے جذبات کی تسکین کے لئے ہی استعمال کرتا ہے۔ اور اکثریت انسانوں کی اِسی لیول پر زندگی گزارنے پر خوش ہے۔ اِس لیول پر ان کے اعتقادات جنم لیتے ہیں۔ اعتقادات بھی انسان معاشرہ اور والدین سے مستعار لیتا ہے۔ اور چونکہ اعتقادات کو اپنانے سے ان کی زندگی معاشرہ میں آسان ہو جاتی ہے۔ اِس لئے وہ کم ہی اِن اعتقادات کی افادیتِ اور اصلیت پر غور کرتا ہے۔ اگر کبھی بھولے سے خیال بھی آ جائے تو وہ اِس کو جھٹک دیتا ہے کیونکہ اِن اعتقادات کے خلاف جانے سے اُس کو مشکلات نظر آتی ہیں اور مشکلات سامنا کرنے سے انسان اکثر گھبراتا ہے۔

ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جذبات کی زندگی تک ہمیں کسی قسم کی باہر کی ہدایات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو معاشرہ کی اقدار ہیں، ہم اُنہی میں زندگی گزار لیتے ہیں۔ اِس میں مذہبی رسوم بھی شامل ہیں۔ اگر ہندو معاشرہ میں پیدا ہوئے ہیں تو انہی میں ہم خوش رہتے ہیں۔ اور زیادہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انسان خود ہی اپنے ہر عقیدہ اور کام کا جواز بھی پیدا کر لیتا ہے۔ اگر وہ کسی عقیدہ کو Challenge نہ کرے تو وہی عقیدہ وقت کے ساتھ اور پختہ ہو جاتا ہے۔ جیسے قسمت کا عقیدہ ہے۔ اِس کے خلاف بے شمار دلائل موجود ہونے کے باوجود بہت بڑی اکثریت اِس میں یقین کرتی ہے۔ اور ہنسی خوشی زندگی گزار کر چلی جاتی ہے۔

Rational سوچ تک انسان کو کسی باہر کے Standard کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ ان کے پاس قوت فیصلہ ہے۔ اور وہ عام حالات میں اپنی خوشی کے لئے کام کرتا ہے اور آسان راستہ ڈھونڈتا ہے۔ اِس لئے کسی ایسے کام میں جس میں اُس کو سوچنا پڑتا ہے اور راستہ کو بدلنے کا امکان نظر آتا ہے وہ اُس کو مشکل خیال کر کے چھوڑ دیتا ہے۔

دوسری مشکل انسان کے لئے یہ ہے کہ مستقل اقدار کے بغیر وہ ہر کام کا نتیجہ جلدی چاہتا ہے۔ وہ اپنے کام کے نتیجہ کا زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو کہ ہم اپنے آپ کا تجزیہ کر کے آسانی سے سمجھ جاتے ہیں۔ یہی سوچ بچار انسان کے Self

کو جنم دیتی ہے۔

ہم نے اب تک دیکھ لیا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے کسی باہر کے معیار کی اُس وقت ضرورت پڑتی ہے جب وہ اُس کے متعلق سوچتا ہے۔ یعنی زندگی کے اور اس کے مقصد کے لئے سوچتا ہے۔ سوال کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اِس کا سراغ لگائے۔ وہ اپنے موجودہ حالات سے خوش نہیں ہوتا۔ آپ دیکھیں گے اگر وہ اپنے موجودہ حالات سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ کسی بھی اور ذریعہ معاش۔ عقیدہ۔ معیار کے لئے ڈسکس نہیں کرے گا۔ وہ اپنی اندر کی غیر مطمئن حالت کو خوش کرنے کے لئے کسی اور معیار کی تلاش کرتا ہے۔ اِس لئے قرآن ہر گھر میں موجود ہونے کے باوجود اکثریت اِس معیار کی طرف نہیں آتی کیونکہ وہ اِس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔

انسانی سوچ ہی انسانی Self کو جنم دیتی ہے۔ انسانی نفس اِن چیزوں کا مجموعہ ہے۔

1- انسان کا اپنی ذات کا احساس Self Awareness۔ ہم اپنے ہونے کا احساس رکھتے ہیں۔

2- انسان کے جذبات۔ یہ جذبات ہمارے احساسات اور ردِعمل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ Emotion کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ خوشی، غم، رشک، رقابت، رحم، ندامت، شرم، رنجش، انتقام، غصہ وغیرہ۔ سب جذبات کی قسمیں ہیں۔ کچھ خود بخود بطور Reaction پیدا ہوتی ہیں۔ اور کچھ ہم اپنی سوچ سے پیدا کرتے ہیں۔

3- عام سوچ۔ یہ جذبات کے نیچے بھی آ سکتی ہے یا پھر ہم اُس کو خود بھی باہر لاتے ہیں۔ مثلاً کسی دوست کو مل کر ہم خوش ہوتے ہیں اور اُس کو Recognise بھی کرتے ہیں۔ اور پھر عام باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کیا حال ہے؟ بچوں کا کیا حال ہے؟ جاب کیسا چل رہا ہے؟ وغیرہ۔

4- سوچ کے معلق سوچنا۔ یہ بہت اہم حصہ ہے جو کہ دراصل قرآن کا نقطہ ماسکہ ہے۔ اور جس کے اوپر قرآنی تعلیم کا انحصار ہے۔ یہ انسانی خصوصیت ہے۔ اِسی کے استعمال سے ہم اپنی قوتِ فیصلہ استعمال کرتے ہیں۔

5- ہماری یاداشت۔ یہ انسان کے علم، تجربہ، واقعات وغیرہ کو محفوظ کرتی ہے۔ بنیادی طور پر ہماری یاداشت میں اگر کوئی بات نہیں ہے تو ہم اس کو استعمال نہیں کر سکتے یا اُس سے مدد حاصل نہیں کر سکتے۔ اِس لئے تعلیم اور تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ ہم ضرورت پڑنے پر اپنی یاداشت کو استعمال کر کے استفادہ کر سکیں۔

Figure 1 اِس کو نیچے سے اوپر کی طرف دکھاتی ہے۔ کہ انسان کس طرح جذبات سے اقدار کی طرف جاتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو گزارتا ہے۔

Human Self۔ چونکہ ہمارے اندر کوئی اقدار نہیں ہیں کیونکہ یہ قوت فیصلہ کے خلاف ہے۔ اِس لئے اگر ہم ہدایت کے لئے کوشش نہیں کرتے تو ہم زندگی اضافی اقدار جو کہ معاشرہ کی اقدار ہیں کے مطابق گذارتے ہیں قرآنی اقدار صرف ہماری زندگی میں آتی ہیں اگر ہم قرآن کی طرف آتے ہیں اور اس کو اپنی یاداشت میں محفوظ کر کے استعمال کرتے ہیں۔

یہاں تک ہمیں قرآن کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ اضافی اقدار (Relative) معاشرہ میں کام کرتی ہیں۔

یہاں پر انسان' جذبات سے باہر۔ جذبات کو استعمال کر کے Rational Thinking کرتا ہے۔ یہ سائنس کی دُنیا ہے۔ عام زندگی میں ہم سوچ اور جذبات کی دُنیا کے درمیان رہتے ہیں۔ مثلاً گھر آ کر جذباتی زندگی اور کام پر Rational سوچ۔

جانور بھی سوچتے ہیں۔ لیکن ہم سوچتے بھی ہیں اور اِس سوچ کے متعلق بھی سوچ سکتے ہیں۔ یہاں ہمارے پاس قوتِ فیصلہ آتی ہے اور اِس سے ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہے۔ Choice مل جاتا ہے۔

جذبات کی دُنیا۔ جانوروں کے پاس بھی جذبات ہیں۔ لیکن ہمارے جذبات عقل کی موجودگی کی وجہ سے زیادہ اقسام کے ہیں۔ اور زبان کی وجہ سے احساسات کو استعمال کرنے کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔

انسان کے جذبات اور بنیادی ہول۔ جانوروں کی طرح احساسات اور بنیادی ضروریات زندگی۔ صرف قوتِ فیصلہ میں مختلف ہیں۔ بکری صرف گھاس کھاتی ہے۔ ہم بہت کچھ کھا سکتے ہیں۔

بحیثیت عام انسانی زندگی

Figure-1

اِن پانچ کے استعمال سے قرآنی اقدار کے اندر رہ کر ہمارا 'Self' یا خودی (اقبال کے الفاظ میں) پیدا ہوتی ہے۔ اگر قرآن ہماری یاداشت میں نہیں ہے تو ظاہر ہے ہم اس کو استعمال نہیں کر سکتے۔ جو چیز ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ استعمال میں نہیں آ سکتی۔ اگر ہم اس طرف سوچتے نہیں ہیں تو کسی طرح بھی قرآن یا اور کتاب کی طرف نہیں آ سکتے۔ اِن سب کے لئے کچھ اور شرائط کا بھی ہونا ضروری ہے جو کہ ہمارے مشاہدات پر مبنی ہے۔

ا۔ اگر ہماری بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو مشکل ہے کہ ہم روٹی۔ کپڑا۔ مکان کے حصول سے باہر سوچ سکیں۔ اسی لئے قرآن نے بنیادی ضروریات زندگی کے پورا ہونے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ انسان جو کہ مرکب ہے انسانی جسم + جذبات + سوچ + قوتِ فیصلہ + یاداشت وغیرہ کا۔ اور یہ انسانی جسم انسان کی زندگی کا بہت اہم حصہ ہے کیونکہ

انسانی سوچ اور قوت فیصلہ نے اِس کو استعمال کرنا ہے۔

ب۔ اگر کوئی بات انسان کے علم میں نہیں ہے تو وہ اُس کو استعمال نہیں کر سکتا۔ انسان کو اپنے علم میں کوئی بات لانے کے لئے یا تو خود کام کرنا پڑتا ہے یا پھر کسی اور کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج۔ انسان جس کے پاس علم ہو وہ خود اپنی مرضی سے دوسروں کو علم دینے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ جس طرح اس نے خود فائدہ اُٹھایا ہے دوسرے بھی اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اِس کے لئے جذبہ محرکہ کوئی بھی ہو سکتا ہے مثلاً ذاتی فائدہ، معاشرہ کا فائدہ، اُس کے اپنے خاندان کا فائدہ۔ کوئی مالی فائدہ جیسے کاپی رائٹ وغیرہ۔

اِس لئے قرآن کی طرف آنے کے لئے اِنسان کے پاس خواہش کا ہونا ضروری ہے۔ پھر انسانی قوت فیصلہ کے استعمال سے اُس کا قرآن کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔ کہ اِس میں جو اقدار اور پیغام ہے اُس سے اُس کو اور اُس کے معاشرہ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔

یاد رہے کہ انسان اپنی خوشی کو بڑھانا چاہتا ہے۔ اور درد کو کم کرنا چاہتا ہے۔ یعنی کیا قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اور اِس پر عمل کر کے انسان اپنی خوشی کو بڑھا سکتا ہے۔ اور درد و غم کو کم کر سکتا ہے؟

اِسی کوشش میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان قرآن کی تعلیم کا اپنی فکر کی روشنی میں تجزیہ کرے کہ کیا یہ کتاب انسانی فکر کا نتیجہ ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب ہر انسان کے لئے حاصل کرنا بہت آسان ہے کیونکہ ہر ذی عقل انسان کے پاس 5 چیزیں موجود ہوتی ہیں جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اُس کی ذات کا احساس + جذبات + سوچ + سوچ کے متعلق سوچ + یاداشت۔ یہی انسانی ذات کو ابھارنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ابھی قرآن کی دو آیات کو لیتے ہیں۔

1- اگر یہ لوگ تمہاری دعوت کا جواب نہیں دیتے تو جان لو یہ اپنی خواہشات کے تابع چلنے پر راضی ہیں۔ جو بھی بغیر راہنماء خداوندی کے جذبات اور خواہشات کے تابع زندگی گزارے گا اُس کو اللہ کی ہدایت نہیں مل سکتی (28:50)۔

2- تم کہیں اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا (یعنی ہدایت کو) جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان کو اپنے آپ سے بھلا دیا (یعنی زندگی کا اعلیٰ مقصد بھول گئے) اور ایسے انسانوں کی زندگی برباد ہو گئی (خدا فراموشی درحقیقت خود فراموشی ہے) (59:19)

انسان کے جسم کے متعلق سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی بھی فاضل ڈاکٹر سے پوچھ کر ہم یہ علم حاصل کر سکتے ہیں آج کل تو انٹرنیٹ پر انسانی جسم کے ہر مسئلہ پر معلومات دستیاب ہیں۔ لیکن نفس کے لئے جو دراصل انسان ہے کے لئے قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اِن دونوں میں فرق صرف اور صرف انسان سوچ کر ہی کر سکتا ہے۔ اور اس سوچ کے متعلق ہمیں رسائی اپنے اندر نفس کو بیدار کر کے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ (جاری ہے)

☆.....☆.....☆

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ محمد احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز اتوار	11AM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-2290900		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 180-AB-4، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔ اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
بونیر	حجرہ حفیظ الرحمٰن۔ کس کورونہ۔ طوطالئی۔ ضلع بونیر۔ رابطہ قاسم خان: 0314-9911900 رابطہ حفیظ الرحمٰن: 0314-9508409 - 0313-9471294	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر۔ تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130	ہر بدھ اور اتوار	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔	بروز جمعہ	4PM
	رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز اتوار	4PM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839		

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار 5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل 7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ 4PM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار 10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار 2PM
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992 محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار 11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736، موبائل 0333-7937101	بروز اتوار 4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار 9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ 10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلّہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار 10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: وکیل زادہ انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبر: 223309 (0938)	بروز اتوار 3 PM
ملتان	بر مکان مظہر حیات۔ نزد مین گیٹ خواجہ فرید سوشل سیکوریٹی ہسپتال وہاڑی روڈ۔ ملتان۔ رابطہ شان الٰہی مظہر، موبائل: 0300-4469722	ہر اتوار سہ پہر 3 بجے
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات۔ فون 0315-9317755	ہر ماہ پہلے جمعہ کو 2PM
علی گرام۔ سوات	رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ فون: 0346-9467559	ہر اتوار 8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار 3PM

قصاص کا قرآنی مفہوم

لغات القرآن سے ماخوذ

اَلْقِصَاصُ ۔ مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ اسے اس کے جرم کی سزا مل کر رہے۔ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دے دینا۔ قانون عدل کا مجرم کے پیچھے پیچھے چلنا۔ راغب نے اس کے معنی خون کے پیچھے خون بہا (بدلہ) کا آنا کئے ہیں۔ قرآن کریم نے اس لفظ کو جرم قتل کی سزا کے سلسلہ میں استعمال کیا ہے۔ چونکہ یہ ایک اہم موضوع ہے اس لیے اس کے متعلق ہم ذرا تفصیل سے گفتگو کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم کی رو سے انسانی زندگی کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس نے کہہ دیا کہ **مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا** ۔ جس نے کسی متنفس کو مار ڈالا، بجز اس کے کہ اسے کسی جان کے بدلے (جرم قتل کی سزا میں) مارا گیا ہو یا ملک میں فساد برپا کرنے کی سزا کے طور پر، تو یوں سمجھو گویا اس نے تمام نوعِ انسان کو قتل کر ڈالا۔ **وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا** [5:32]۔ اور جس نے کسی ایک متنفس کو موت سے بچا لیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو موت سے بچایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے۔

(1) قتل بہت بڑا سنگین جُرم ہے۔

(2) جو شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے، یا ملک میں فساد برپا کر دے، اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔

فساد فی الارض (بغاوت) کے متعلق [5:33] میں احکام دیئے گئے ہیں لیکن چونکہ یہ موضوع اس وقت زیر بحث نہیں اس لیے ہم اس سے آگے بڑھ کر انفرادی قتل کے جرم کی طرف آتے ہیں۔

جرمِ قتل کے متعلق پہلی آیت سورہ بقرہ میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى** [2:178]۔ ''تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض قرار دیا گیا ہے''۔ اس آیت میں لفظ قصاص سے مراد عام طور پر سزائے موت لی جاتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، قِصَاصٌ کے معنی کسی کا پیچھا کرنے کے ہیں۔ لہٰذا قصاص کا مطلب ہوا مجرم کا پیچھا کرنا۔ اس کا تعاقب کرنا۔ اسے ایسے ہی نہ چھوڑ دینا کہ وہ اپنے کئے کی سزا نہ پا سکے۔ اس آیت میں خطاب **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** (جماعت مومنین) سے ہے۔ جس معاشرہ میں اجتماعی قوانین رائج نہ ہوں، اس میں جرائم اور اس کے بدلے کو افراد پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اب یہ چیز مقتول کے وارثوں کے لیے ہے کہ وہ مجرم کا پیچھا کریں۔ اگر ان میں ہمت ہو تو اسے پکڑ کر اس سے بدلہ

لے لیں۔ اور اگر مجرم ان سے بالا دست ہو تو پھر صبر شکر کر کے بیٹھ رہیں۔ لیکن قرآن کریم ایک اجتماعی نظام پیش کرتا ہے اس لیے اس میں جرم کا بدلہ لینا افراد پر نہیں چھوڑا گیا۔ وہ معاشرہ کا فریضہ ہے (نہ کہ مقتول کے وارثین کا انفرادی کام) کہ وہ مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ معاشرہ پر فرض قرار دیا جاتا ہے کہ وہ مقتول کے بدلہ لینے کا انتظام کرے۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں کہا جائے گا کہ قرآن کریم نے جرم قتل کو ''قابل دست اندازی پولیس'' قرار دیا ہے جس میں مستغیث خود حکومت ہوتی ہے (Crown vs.....)۔ لہٰذا آیت کے اتنے ٹکڑے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جرم قتل کے مرتکب کا پیچھا کر کے اس سے بدلہ لے۔

اس سے آگے ہے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ۔ اس حصہ کا تعلق بھی سزا سے نہیں بلکہ اس میں اس اہم اصول کو بیان کیا گیا ہے کہ اس باب میں مجرم اور مقتول کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو بدلے کے معاملہ میں دونوں کو یکساں سمجھا جائے۔ اس لیے کہ ہر انسانی زندگی (وہ مرد آزاد کی ہو یا غلام کی۔ عورت کی ہو یا مرد کی) یکساں قیمتی ہے۔

خونِ شہ رنگیں تر از مزدور نیست

اسے پھر دُہرا دینا ضروری ہے کہ آیت کے اس حصے میں اسلام کا اصول مساوات بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس سے یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی مرد آزاد (حُر) قتل کر دیا گیا ہے تو اس کے بدلے کسی مرد آزاد (حُر) کو قتل کیا جائے' خواہ قاتل کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر مقتول غلام ہے تو کسی غلام کو پھانسی چڑھایا جائے' خواہ قاتل' مرد آزاد ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مفہوم بالبداہت غلط ہے۔ قرآن کریم نے یہاں عام اصول مساوات پر زور دیا ہے اور اس کے لیے اصولی اندازِ بیان اختیار کیا ہے' جس سے مراد یہ ہے کہ سزا کے معاملہ میں قاتل اور مقتول کی پوزیشن کا کوئی خیال نہ کیا جائے۔

اس کے بعد ہے فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۔ جس شخص کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو اسے چاہئے کہ قاعدے کے مطابق اس کی پیروی کرے اور حسن کارانہ انداز سے اس کی ادائیگی کرے۔ یہ تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ ظاہر ہے کہ سزا کا اس میں بھی ذکر نہیں۔ سزا میں سے کچھ معاف کا ذکر ہے۔ ''کچھ معاف کر دینا''۔ (شَیْءٌ) اس کی دلالت کرتا ہے کہ اس کا تعلق سزائے موت سے نہیں۔ اس لیے کہ سزائے موت میں سے ''کچھ معاف کر دینے'' (اور کچھ باقی رہنے دینے) کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ''کچھ معاف کر دینے'' کی شکل اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ سزا' مال (جرمانہ) کی ہو۔ اسے دیت یا خوں بہا کہا جاتا ہے۔

جرم قتل کی سزا کا ذکر سورہ نساء میں ہے جہاں جرم کی مختلف نوعیّتوں اور ان کے مطابق سزا کا بیان ہے۔ ارشاد ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا کسی مومن کے یہ شایان ہی نہیں کہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے۔ ہاں غلطی سے ایسا ہو سکتا ہے۔ وَمَنْ قَتَلَ

مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۔ ''اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہا ادا کرے جسے اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے گا۔ بجز اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ یہاں سے بات صاف ہوگئی کہ قتل خطا (غیر ارادی طور پر، بھولے سے قتل) کی سزا موت نہیں بلکہ خون بہا ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ خون بہا کی جو رقم عدالت مقرر کرے، مقتول کے وارثوں کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس میں سے کچھ (یا سب کا سب) معاف کر دیں۔ لہٰذا سورۃ بقرہ کی آیت 178 میں جو فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ کہا گیا ہے تو وہ قتل خطا کی صورت میں ہے جس کی سزا خون بہا ادا کرنا ہے۔

سورہ نساء کی آیت 92 کے باقیماندہ حصہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر مقتول اس قوم سے متعلق ہو جو تمہاری دشمن ہو یا اس سے جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس صورت میں کیا سزا ہوگی (سزا اس صورت میں بھی خون بہا ہی مقرر کی گئی ہے)۔

اس سے اگلی آیت میں ہے وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا [4:53] ''اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے، اور اس کی لعنت۔ اور اس کے لیے سخت سزا تیار کی گئی ہے''۔ یہاں قرآن کریم نے قتل عمد کے لیے انتہائی سزا بتائی ہے۔ اس میں دیت (خون بہا) نہیں ہے۔ البتہ قتل عمد میں بھی جرم کی نوعیتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص نہایت ٹھنڈے دل سے سوچتا ہے کہ اگر فلاں آدمی کو قتل کر دیا جائے تو اس کی تمام جائیداد مجھے مل جائے گی۔ وہ اس کے لیے اسکیم بناتا ہے اور سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق اسے قتل کر دیتا ہے۔ اس قسم کے (Cold Blooded Murder) کی سزا سخت ترین ہونی چاہئیے۔ اس کے برعکس ایک شخص دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کی بیوی کی عصمت پر حملہ کیا ہے۔ وہ غیرت میں آ کر اسے فوراً قتل کر دیتا ہے۔ قتل عمد یہ بھی ہے لیکن اس میں اور اول الذکر میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے ہر قتل عمد کی سزا ایک جیسی نہیں ہوگی۔ جرم کی نوعیت اور احوال وظروف (Circumstances) کے اختلاف سے سزا میں اختلاف ہوگا۔ اس سے قیاس کا رخ اس طرف جاتا ہے کہ قرآن کریم نے قتل عمد کی سزا میں فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ کے بعد اللہ کا غضب۔ اس کی لعنت اور سخت سزا کا جو ذکر کیا ہے تو یہ سزاؤں کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ مثلاً عبور دریائے شور، قید تنہائی، قید بامشقت، معاشرہ کے حقوق سے محروم (Disqualify) کر دینا (لعنت کے یہی معنی ہیں) وغیرہ وغیرہ۔

ممکن ہے کہہ دیا جائے کہ یہاں سزائے جہنم کا ذکر ہے (جس کا تعلق آخرت سے ہے اس دنیا سے نہیں) لیکن دوسری جگہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ قتل عمد کی سزا بالعموم، موت (قتل) ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۔ جس جان کا مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے (یعنی بے گناہ کا قتل) اسے قتل مت کرو۔ بجز اس کے کہ انصاف کا تقاضا ایسا ہو۔ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ۔ جو ظلم سے قتل کیا جائے تو قاتل یہ نہ سمجھے کہ مقتول کے وارثوں کا کوئی حمایتی اور مددگار

نہیں' اس لیے میں اب جس طرح جی چاہے دندناتا پھروں' مجھے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ اسے اس زعمِ باطل میں نہیں رہنا چاہئے۔ مقتول کے ورثاء کے لیے ہم نے معاشرہ کو ''سلطان'' بنایا ہے۔ معاشرہ (نظام حکومت) کا غلبہ واقتدار (سلطان) مقتول کے وارثوں کا پشت پناہ ہوگا۔ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا [17:33]۔ اس طرح یہ معاشرہ خود مقتول کی (اور اس کے وارث کی) مدد کرے گا اور قاتل سے بدلہ لے کر چھوڑے گا۔ لیکن معاشرہ کو اس کی بھی تاکید کر دی گئی ہے کہ قاتل کو سزائے موت دینے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۔ مثلاً ایک شخص نے جان بوجھ کر کسی شخص کے خاندان کے چار پانچ افراد کو بے رحمی سے قتل کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اثبات جرم کے بعد عدالت کو قاتل کے خلاف سخت غصہ ہوگا۔ لیکن عدالت کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ قاتل کے خاندان کے چار پانچ افراد کو اسی طرح قتل کر دے۔ یہ ''اسراف فی القتل'' ہوگا۔

نہ ہی آیت کے اس ٹکڑے (فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا) کے یہ معنی ہیں کہ مقتول کے وارث کو اس کا اختیار ہے کہ وہ جا کر قاتل کو خود قتل کر دے۔ بالکل نہیں' قصاص کا حکم معاشرہ کے لیے ہے۔ افرادِ متعلقہ کے لیے نہیں۔ قتل کا جرم' معاشرہ (نظام حکومت) کے خلاف جرم ہے۔ انفرادی جرم نہیں۔ مقتول کے وارثوں کی حیثیت (زیادہ سے زیادہ) استغاثہ کے گواہوں کی ہوگی۔ مستغیث کی نہیں ہوگی۔ مستغیث خود حکومت ہوگی۔ لہٰذا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ کا حکم بھی معاشرہ (عدالت) کے لیے ہے۔

اس آیت سے دو باتیں واضح ہو گئیں۔

(1) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا سے واضح ہے کہ یہاں قتل عمد کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ قتل خطا میں قاتل کو ظالم اور مقتول کو مظلوم نہیں کہا جائے گا جس شخص سے محض سہواً' نادانستہ' بھول چوک میں' غلطی سے کسی کا قتل ہو جائے وہ ظالم نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنے کئے پر خود نادم ہوتا ہے۔ لہٰذا مقتول اسی صورت میں مظلوم کہلائے گا جب اسے کسی نے عمداً قتل کیا ہو۔

(2) معاشرہ کے طاقتور لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر جسے چاہیں قتل کر ڈالیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ معاشرہ کا پورا غلبہ واقتدار (سلطان) مقتول کے وارث کا پشت پناہ ہوگا اور اس طرح قاتل سے بدلہ لینے میں اس کا حامی و مددگار بنے گا۔

(3) قتل عمد کی سزا قتل (موت) ہے۔ لیکن اس میں حد سے نہیں بڑھا جائے گا۔

اس آیت کو جب سورۃ نساء کی آیت فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ سے ملا کر پڑھا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں جہنم کی سزا سے مراد سزائے موت ہے۔ اور ''اللہ کا غضب ولعنت اور عذاب عظیم'' وغیرہ اس کے ساتھ' یا اس سے الگ یا اس سے نچلے درجہ پر' دوسری سزائیں ہیں جن کی نوعیت معاشرہ خود متعین کرے گا۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے

(i) قتل کا جرم انسانیت کے خلاف سنگین جرم ہے۔

(ii) جرم قتل' افراد کے خلاف جرم نہیں خود معاشرہ کے خلاف جرم ہے۔ لہٰذا' مجرم کا پیچھا کر کے اسے سزا دینا' مقتول کے وارثوں کا کام نہیں بلکہ نظام حکومت کا فریضہ ہے۔

(iii) اس بات کا فیصلہ عدالت کرے گی کہ قتل بلا ارادہ (خطا) تھا یا قتل عمد۔

(iv) قتل خطا کی صورت میں سزا خوں بہا (دیت) ہوگی۔ اس کے لیے مقتول کے وارثوں کو اختیار ہوگا کہ وہ مجرم کو بالکل معاف کر دیں یا خون بہا کی رقم میں سے کچھ کم کر دیں۔

(v) قتل عمد کی سزا دیت نہیں اس لیے اس میں مقتول کے وارثوں کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ اس کی سزا عدالت کی طرف سے مقرر ہوگی جو سزائے موت (یا جرم کی نوعیت اور حالات کے پیش نظر) اس سے کم درجہ کی سزا (قید وغیرہ) ہوگی۔

(vi) یہ جو کہا گیا ہے کہ ''کسی مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کر دے۔ مگر غلطی سے''۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ مومن غیر مومنوں کی یونہی قتل کرتا پھرے۔ اس کی اسے کھلی چھٹی ہے۔ قطعاً نہیں' مومن و غیر مومن' کسے باشد' ہر ایک کی زندگی قرآن کریم کی رو سے یکساں قیمتی ہے [5:32]۔ اس آیت میں مومنین کی اس خصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ دوسرے بھائی کو قتل کر دے۔ ہاں ایسا غلطی سے ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اسے خون بہا ادا کرنا ہوگا تا کہ آئندہ ایسی غلطی سے محتاط رہے۔ لیکن اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا سخت ہوگی۔

(vii) قرآن کریم نے انسانی زندگی کی قدر و قیمت اور اہمیت بتانے کے باوجود اسے تسلیم کیا ہے کہ بالحق زندگی لی جا سکتی ہے۔ یعنی جہاں حق و انصاف کا تقاضا ہو' یعنی بے گناہ کے قتل عمد کی سزا کے طور پر' یا دشمن سے جنگ میں' یا نظام اسلامی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو فساد سے روکنے کے لیے' وغیرہ۔ لیکن اس کا فیصلہ بھی معاشرہ کرے گا (نہ کہ افراد از خود) کہ بالحق کسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مقتول مظلوم کے وارثوں کو بھی اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ از خود قاتل کو قتل کر دیں۔ یہ ہے وہ قِصَاصٌ جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس میں تمہاری اجتماعی زندگی کا راز پوشیدہ ہے [2:179]۔

☆.....☆.....☆

Surah Al-Muddaththir (المُدَّثِّرُ)– Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 20

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

Dear friends! Today is February 17, 1984 and today's lecture starts with verse 6 of Surah *Al-Muddaththir* (المُدَّثِّرُ). If you remember we have been talking about a revolution mentioned in these two Surahs: *Al-Muzammil* (المُزَّمِّلُ) and *Al-Muddaththir* (المُدَّثِّرُ). This revolution was undergoing for some time and was entering its final period of conflict and confrontation. For this revolution to get going a party was needed; thus we discussed the formation of a party and certain key personality character traits its members must possess. Then, at the start of Surah *Al-Muddaththir* (المُدَّثِّرُ), we presented the meaning of يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ –: O you who is to bring new life in humankind's putrefied fall garden! O you who is to re-form anew the humankind abode and make it stronger! قُمْ (74:2) – Arise! And thus establish the system of the Truth by overpowering all falsehoods. This قُمْ was a radical call for action in order to establish Allah's exclusive sovereignty in the world: رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3).

What was رَبَّكَ فَكَبِّرْ ?

Dear friends! All these provisions for the imminent revolution; this conflict and confrontation; all these were meant to achieve the goal of Islam, the final destination of *al-Deen*. But this رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) turned out to be very easy for our religious priesthood. To them it became: Glorify your Lord by reciting *Allahu Akbar* and do six extra *Takbirs* in the *Eid* prayer. The obligation of رَبَّكَ فَكَبِّرْ done! Its goal achieved! All these extraordinary challenges the Prophet (PBUH) was told to surmount by a long and hard painstaking process – the religious priesthood made it so easy to achieve: simply add 6 extra *Takbirs* in the *Eid* prayer. Moving along the priesthood easy path: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) meant "keep your garments clean;" and وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) became "keep away from dirty things."

Please note that this Surah started with these revolutionary words: (74:1-2) يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ; قُمْ فَاَنْذِرْ : O You who has been assigned the extraordinary task of creating a new world-order by streamlining and re-forming the existing human order! قُمْ فَاَنْذِرْ (74:2) – Arise! Warn the misguided humanity about the destructive consequences of its wrong system of life; and establish this revolutionary program of *the* Truth by

overpowering all falsehoods. And رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – By this revolutionary program establish the supremacy and sovereignty of the system of universal sustenance of Allah over all other systems of life. For this it is essential that: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) – Do not let your personality and character and of those who want to join your movement, to be influenced by any anti-Quranic elements. Keep this revolutionary program completely pure and clean. My dear friends! Did you see how the chains of this revolutionary program perfectly fit into each other? After this the Quran says: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) – Take your companions under your wings and educate and train them so that their personality and character are shaped and transformed in such a way that they are able to carry out this huge burden with ease and with unswerving determination and courage; so that they do not waver even slightly under any trying and challenging circumstances. This indeed was a very tough program for the Prophet (PBUH) and his companions; but the religious priesthood made it very easy to achieve.

The very first verse of the Quran – universal sustenance of all humankind

My dear friends! The very first word of the Quran is اَلْحَمْدُ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1). Then after this is رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ : Universal sustenance for all. The objective of the Quran and the purpose and goal of its program *is* the development and nourishment of all humankind. The first thing in this development process is that no one should be deprived of the basic needs of life. When you spread this program encompassing all of humanity then you can very well imagine the enormity of this task. This, in fact, is an open declaration of war against capitalists. This proclamation of universal nourishment for all ends the monopoly of those who control the resources, and through this they control people's lives. They are representatives of the Pharaoh who famously said: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (79:24). They use their authority and power to control the sources of nourishment and thus force the rest humanity to bend before them. This proclamation of universal nourishment ends their power and authority to control people. And رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – this revolutionary program establishes the supremacy and sovereignty of the system of universal sustenance and overpowers and puts an end to all other systems of life. The Quran demands denial of all kinds of authority. It keeps saying لا (No) again and again to all kinds of authority including temporal, religious, and spiritual. It wipes the slate clean of all kinds of power. When the slate becomes completely clean then it brings in: اِلاَّ اللّٰهُ – Yes, there is one authority (اِلٰهَ) and He is the True one, and that is Allah. رَبَّكَ فَكَبِّرْ thus establishes the supremacy of this

universal system over all other systems. This requires psychological purification of hearts and minds. Those involved with this revolutionary program must have impeccable personality and high moral character. These are the people from whose hands this revolution will happen.

The Islamic system is not a mechanical thing

My dear friends! What you call Islamic system, Islamic society, or Islamic state; it is not a mechanical thing; it is not a product of lawmaking. One can make however as many laws; or follow whatever policy in the name of the law – it is okay. Amendments or extensions are needed over time but generally there are some standard laws throughout the world; for example, against lying, stealing, deceiving etc. But if we look at it little more carefully then we can easily conclude that these cannot be solved by making laws, but only by transforming people. This is what Islam does, my dear friends! Just think about what is being said to Muslims: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (59:9) – They always give preference to the needs of others over themselves, even if they themselves are indigent and living a life of hardship. This is the sign of a true Muslim. What law of the world is there through which you could achieve this? Is this a matter of law? No, this is a matter of transforming human psychology; of transforming human personality; of transforming human character; of transforming hearts and minds. Only through this transformation this goal can achieved. But one can never achieve this goal – of giving preference to others and lead a life of hardship and making sure others' needs are met over one's own needs – through laws. No law of the world would be able to achieve this. This is not a matter of lawmaking. This is a matter of changing humans from inside.

The Quranic order cannot be established without changing human psychology

Dear friends! The Quran clearly told no change in the condition of a people will happen unless and until there is change in the individual selves first (13:11). *This* is رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) – this revolutionary program establishes the superiority and sovereignty of the system of universal sustenance and overpowers and puts an end to all other systems of life. The first precondition of this was: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (74:4) – to change and to purify: human psychology; human personality; human character; and human hearts and minds; and to not let one's personality and character and of those who want to join this movement to be influenced by any non-Quranic corruption – and at

the same time, to keep this revolutionary program also pure and free of non-Quranic corruption. This is no doubt such a huge task that the Prophet (PBUH) was instructed: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (74:5) – Purify the personality and character of your companions in such a way that they are able to carry out this huge burden with ease and with unswerving determination and courage; and they do not falter even slightly under any challenge. This is not going to happen by uttering greatness of Allah. This is a huge revolution to be accomplished. This is to confront the whole world. This is a challenge to all the existing world systems. This is why the Prophet (PBUH) is being told to make sure that his companions do not waver. My dear friends! The Quran summarizes this program in just two words, which, in effect, provide the entire picture of Islam: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (74:6) – O Prophet (PBUH)! Explain to your companions that this program requires that you must fulfill the needs of others; you must give to the needy; you must feed the hungry; and you must do all this without expecting any compensation, without expecting even any thanks.

Thus all this is to be done without expecting anything in return. It is *this* program that is to be superimposed on all other systems! O Prophet (PBUH)! You should also explain to your companions that the basic principle of this mission is to keep the fruits of your labor open and accessible for the nourishment and development of others. When you render help to the needy, do not consider it to be a favor to them, and do not expect something more in return – لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (74:6); not even expecting a thank you – لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا (76:9). This will be done solely to remove human poverty from the world and to fulfill the basic needs of humanity without any intention of any form of return. These are the people who will establish the Islamic state. This is only possible through change from inside – change in thinking; change in mindset; change in internal self – of individuals involved with this mission.

The meaning of لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ

Dear friends! There is no law of the world that will produce this change through lawmaking. *This* is: لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ. The first important step in this is: قُلِ الْعَفْوَ (2:219) – You should keep the fruits of your labor open and accessible for the nourishment and development of others beyond your own needs. Working continuously nonstop giving one's 100% and keeping only that much of the fruits of that labor that fulfills the basic needs of oneself and giving the rest to help others: This is not something easy to do.

This program is for life, not for limited time

My dear friends! This is a lifelong program: فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (2:132). Do you see where is this program leading to? – There will be conflict and confrontation, and maybe even going to war and giving one's life. Giving life for this cause is the ultimate sacrifice that one can give. But this program must go on. It asks its followers to work hard all their life giving their all, and only keep as little as possible for themselves and give the rest to fulfill others' needs; even going as far as to give preference to others above one's own needs. And then, continue to do so for one's entire lifetime. This is exhausting, heart-wrenching, demanding great fortitude, to say the least. In the words of Ghalib:

Dying due to sadness of parting many a time

If death is to come then why not just one time

My dear friends! The burden entrusted to the Muslims is extremely heavy and they must bear it with all the heartache that it entails, not just for a short time but for lifetime. The Quran goes so far as to say: لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (74:6). Now you understand why the Quran stressed so much to the Prophet (PBUH)?—Create a synergistic group of companions by purifying their personality and fortifying their character; and make sure they do not waver under any challenge and adversity. *This* was the program my dear friends! *This* was a lifetime of duty and responsibility. *This* is how رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) will happen. But this requires extraordinary patience as the Quran mentions next: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (74:7).

Meaning of فَاصْبِرْ

Dear friends! Here فَاصْبِرْ has come in connection with universal nourishment of all humankind. This program is such that Allah had to remind the Prophet (PBUH): Remember! This program requires of you to be steadfast, patient and unwavering in your mission. This program is long, hard, and tests your resolve. My dear friends! This is not easy. But when *Deen* got transformed into religion then this became very easy. Do you know what وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (74:7) has been translated as?—For God's sake do صبْرْ. And you already know what the traditional meaning of صبْرْ is: Do nothing? Just have faith in God; what has to happen will happen anyway, so just wait? They translated رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3) as: Glorify the greatness of God (by tongue); and وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (74:7) as: And leave everything to God. That is, do nothing, be happy; and you will go

to heaven. Whereas Allah has said: لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (74:6) – O Prophet (PBUH)! Explain to your companions that this program requires that you must fulfill the needs of others; that you must take care of the needy; that you must feed the hungry without expecting any compensation, without expecting even any thanks. يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ (2:219) – they ask thee as to what they should spend [in God's cause of Universal sustenance for all humankind]. Say: "Whatever is surplus beyond your basic needs?" This program requires lifetime of commitment. In this program there is no question of taking more than what can fulfill one's basic needs.

The meaning of رِبٰوا

Dear friends! The interim period, before the establishment of the universal system of sustenance, requires help; it is a period of helping the needy by giving and not expecting anything in return; but certainly not expecting more than what one gave, which is forbidden. The meaning of رِبٰوا is: to get more than what one puts in. When *Deen* was changed to religion, رِبٰوا (including many terms and concepts of Islam) also changed. رِبٰوا was taken to mean interest, especially the interest on bank loans; but many other forms of it were declared permissible. As noted, the principle of رِبٰوا is: to take more than what one puts in. When the Quran was revealed, the Arab society and its economy was based on the exploitation of the poor and weak and the downtrodden; and when the rich and powerful used to give loans to these people who were at the bottom of that society, they used to take extra on top of the loan. But we translated just this form of رِبٰوا as interest and made it impermissible; but we allowed many other forms of رِبٰوا. The Quran says that when you give then: فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ (2:279) – You are only entitled to your principal. Anything above and beyond it is رِبٰوا. This is forbidden.

Anything above the principal is رِبٰوا

Although there are many crimes which are great sins in the eyes of the Quran but there is one crime about which the Quran says: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (2:278) – O you who have attained to Iman! Remain conscious of God and give up all outstanding gains from رِبٰوا, if you are [truly] believers. This is one crime that if you do not listen then: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (2:279) – for if you do it not, then know that you are at war with Allah and His Messenger. You can very well imagine from this how serious this crime is? The Quran did not say here that there will be prosecution; there will be court proceedings; and punishment would be

announced – even may be death sentence. The Quran didn't say all this – it says here: there is declaration of war by Allah and His messenger against those who are engaged in رِّبٰوا. This is such a great crime. The Quran has declared war only against treason.

Treason against Allah's system of universal sustenance

What is this treason? The foundation of the Islamic state is based on the system of universal economic sustenance. It is the fundamental duty of the Islamic state to help the poor, the needy, the indigent, and the physically disabled and incapacitated. This is Allah's *order and command* for the Islamic state! Any system that is against this system, in which by giving others one wants more than the principal, is a rebellion against this system. This is to challenge this system. This is to establish capitalism against the system of universal economic sustenance. This cannot be allowed. There is declaration of war against it by Allah and His messenger. Thus you can imagine how great this crime is against humanity. There is no other crime against which there is such an open declaration of war by Allah and His messenger. Under these conditions one only takes the principal and must give up the extra beyond this: لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (2:279) – You are only entitled to your principal. Thus: فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ (2:279) – you will do no wrong, and neither will you be wronged. That is, taking more than the principal becomes ظُلم and rebellion against the Islamic government and is tantamount to starting war against Allah and His messenger.

What to do if someone is not able to pay the principal

Dear friends! If we come to the Quran then it is not something that we should take it lightly and move on. Just think how in just two words the Quran has mentioned this great crime. To take more than he principal (i.e., رِّبٰوا) is the foundation of capitalism. This is diametrically opposite to the Quranic order to give one's surplus wealth to others. The Quran even goes so far as to suggest that a believer gives preference to others' needs over himself. This was the Quranic economic system. Contrary to this, the capitalist system is based on exploiting the needy, the poor, the deprived, and the vulnerable and exploiting emergency situations. Its motto is: help, but take back more than what was given; usurp the fruits of labors of others. So, obviously, the capitalistic system is an open rebellion against the Quranic system.

Dear friends! The Quran goes further: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (2:280) – If the debtor is in straitened circumstances, give him respite until it

becomes convenient for him to repay your loan. But if you forgo the loan, it will be even better for you. There is no question of taking interest in this system.

Non-Quranic government is always capitalistic

This is the economic system of the Quran, which we abandoned long time ago; and we are under the system of *Mulukiyyah* (human rule in any form). When this *Mulukiyyah* took over Islam it brought with it its twins: capitalism and priesthood. Non-Qunanic state is the predatory capitalist state; it does not care if people sleep hungry. And don't ask how much they tax the poor and the average person? On the contrary, Islamic state's first responsibility is to make sure that no one sleeps hungry. The Prophet (PBUH) has said that if a person sleeps hungry in the night in any town then the protection of Allah is lifted from that town. Khalifa Umar said that if a dog were to die of hunger on the banks of Tigris then he will be held accountable for it. *This* was the Islamic state, my friends! But when the *Mulukiyyah* took over and the Deen was changed into religion then these things vanished from Islam.

Three evils against humanity

Dear friends! The Quran has enumerated only three evils that destroy humanity by sucking its lifeblood. First is the Pharaoh: the representative of *Mulukiyyah*. He said: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (79:24) – "I (Pharaoh) am your Highest Sustainer." The second evil – the representative of which is Haman – is priesthood, whose dominion is even stronger than kings. King dies, his rule and his laws end, government changes; but priesthood's laws made thousand years ago still prevail today. The third evil – whose representative is Qaroon (Korah) – is capitalism that exploits the labors of others. The capitalists enjoy life while others work hard. Capitalism runs on surplus money which it gives as loans to others and takes in turn more than what it gives. This may have many different forms but the bottom line is the same. In Islamic system no one can keep surplus money. There is no return on capital but only on what one works for: لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53:39). Although the priesthood could not dare to allow any part of interest, and interest takers were looked at with contempt, but the so-called Islamic *Shariah* did allow several other forms of capital gain that are much more exploitative than taking interest.

Exploitation through land and business

As an example, let us say a landlord is selling a piece of land. A person does not have

money but wants to borrow from the landlord to buy this piece of land. The person says to the landlord: I will farm this land, I will raise my family, and I will return your money back. The landlord thinks: Well! If I give him a thousand and take back one thousand fifty, then this will become interest. This will be considered shameful since those who take interest are looked at with contempt in society. So, the landlord says to person: Nothing to worry. I will buy the land on your behalf and give it to you, but you have to give me 50% percent of the crop yield every year until you give me back the original price of the land. So, if the landlord took interest he would have gotten much less but now he is getting many times more by taking the 50% share of the crop; and this is halal (kosher) because its name is not رِبٰوا but **مضاربت**. Another scenario: A person becomes sleeping partner by investing money in some business. He does not do anything himself. The businessman is doing all the work. But from the profit the sleeping partner takes half of it. This is not counted as رِبٰوا but **مشـارکت** which is considered perfectly legal. Thus by simply changing the words, things have been made halal and kosher. The world is becoming more civilized! When the world was "uncivilized" the forms of things were different. But things are getting more refined and polished since the world is getting more "civilized" with new ideas and new forms of earning money from money! There is now interest-free banking. Oh! What a great thing this is!! Do everything as interest-bearing banks do; just change the name – from "interest" to "commission" or "profit". Then, the extra money becomes halal; give your zakah and heaven is guaranteed! Just by changing words, what was haram and a rebellion against Allah and his Prophet (PBUH) has been turned into halal and a guarantee for heaven!

The bloodsuckers come in the world in every age by changing appearance and form

Although Adam is old and weak, but Laat and Manaat are still resilient and strong

These "civilized" modern idols are extremely powerful. Such ubiquitous large scale رِبٰوا business would not have happened in that "uncivilized" age.

Bank interest is halal and pork is haram

This is the Quran my friends! Just imagine! These are the commands of Allah, the omniscient. Of course He knew that others will mix their capital with those who do the actual work and will take share of the profit. **مضاربت** and **مشـارکت** involves only capital from capitalists but others do the actual work and create real output. Then the arguments start: what is halal and what is haram? Interest is haram but **مضاربت** and

مشارکت is halal. It is as if saying that pig's breast is halal but its leg is haram. My dear friends! It is the Quran. It does not leave any loopholes: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (30:39) – And [remember:] whatever you may give out in usury so that it might increase through [other] people's possessions will bring [you] no increase in the sight of Allah. The money that you mix with other people's wealth so that you can get more *is* رِبوٰا. Period.

How to get more with Allah?

Dear friends! The Quran says: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (30:39) – what grows more in sight of Allah is what is given for others' nourishment and development without expecting any return, not even expecting a thank you note. This is what grows more and more near Allah. Mixing one's money with others' wealth expecting higher return is the foundation of the *Iblisi* system. Dear friends! Just this one verse of the Quran cuts the entire root of this *Iblisi* (aka capitalistic) system: لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53:39) – The return is only on the effort expended, not on the capital – no matter what its form; no matter what name is given for it. Now you understand what kind of revolution the Quran was bringing in the society? It was creating a synergistic group of people; training and preparing its members for imminent revolution. The Quran was asking the Prophet (PBUH) to purify the personality and fortify the character of the individuals in this group. The Quran was asking the Prophet (PBUH) to inculcate in his followers the passion for working as hard as possible and taking only minimum to satisfy their basic needs and giving the rest to others. The Quran was asking: Establish this system; and remove any desire from your heart for getting more.

Meaning of اَلْعَقَبَةُ

Dear friends! *Now* you get a picture of how <u>difficult and challenging</u> this process is? This is not some emotional event of taking swords in hand and chanting Ali! Ali! and embark on a charging brigade. This is out of the question. The Quranic program is a well-thought-out highly demanding revolutionary program. *This* was the system for which preparations were being made by the prophet (PBUH) and his committed companions. There is this beautiful analogy that is described regarding this program in the Quran: O Prophet (PBUH)! they ask thee what is *Deen*? Say: it is اَلْعَقَبَةُ (90:12). If you have the Quran please open it. These are extraordinary verses.

اَلْعَقَبَةُ means to climb up a hill. It is easy to travel through a level plane. Climbing up

a hill is difficult. One has to move up step by step and one becomes breathless. What is this الْعَقَبَةُ ? The Quran says: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ (90:12) – Who can tell you what الْعَقَبَةُ is except Allah? The first thing is: فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – To free a human from bondage or persecution wherever he/she may be: Make him/her worthy of walking with dignity and self-respect both physically and psychologically. On the other hand, you can see from history of what Muslim kings did? One so-called Khalifa (but actually a king) used to have up to 3000 concubines in his palace. Is this a nation of Muslims practicing فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13)? Do you now realize what happened to this Ummah and Islam? This is the kind of Islam that is being resurrected through fundamentalism. But فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) is only the first step. The next step is: اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ (90:14) – the feeding of others when one is hungry himself. It is to provide nourishment to all during difficult period, especially during famine. Did you notice that *Deen* is like climbing up a hill? And then the Quran further says: يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (90:15).

What is the meaning of يَتِيمً

This is the Quran my friends! If you look at it purely from literary point of view then one feels rapturous. يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (90:15) – That person who "feels alone" among a world "full of people". There are human beings all around but this suffering person feels utterly alone. The Quran says that not only this person's physical suffering and his physical needs are to be taken care of but his dignity and self-respect must be restored as well. Everyone respects those with power and large groups; but the Quran demands Muslims to restore the respect of those who feel alone in society. This is such a serious task that those destined for hell will say that we did not respect those who were left alone. People normally respect those who have more votes. But the Quran says: اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (90:16) – He was doing okay but then some emergency situation developed and he could not find work – he tries very hard looking for work all the day and, as a result, gets shrouded in dirt but he is unable to earn to fulfill his basic needs. The Quran asks Muslims to pull such people out of their debilitating state.

Dear friends! This is *Deen*. But it is like climbing up a hill. This requires extraordinary patience as the Quran mentions: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (74:7). This *Deen* requires us to establish the system of universal nourishment of all humankind. This is such a tough program that Allah had to remind us to be steadfast, patient and unwavering in this mission. This program is long, hard, and tests our resolve. Those sitting like snakes on their armored wealth cannot be dislodged easily. They will fight tooth-and-

tail to protect their wealth till the last moment. Thus Muslims will be forced to come to the battlefield in order to establish this system of universal welfare. To end this vicious capitalist system this is the first لاَ إِلٰهَ part. There will be challenge and difficulties. Therefore, O Prophet (PBUH), please tell your followers this is not a path full of roses but full of thorns. There will be strong opposition from all sides. Nonetheless, you must not be deterred from your central mission. Then comes the next part: to establish the system of universal nourishment: (74:8-10) فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ; فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ; عَلَى الْكٰفِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ – "Tell your companions O Prophet (PBUH) that they will face stiff opposition from all around, so much so that a time may come when your enemies will attack you from all sides. The bugle will be sounded and you will have to come to the battlefield. Also, tell them that there will be many hardships in this clash. But the anguish of your opponents will be far greater. They will be defeated and success will ultimately be yours if you remain steadfast and unwavering and if you have purified your character."

Dear friends! Allah says in the Quran says: وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا (73:11) – "And leave Me (alone to deal with) those in possession of the good things of life, who (yet) deny the Truth; and bear with them for a little while." Who were these people opposing the Prophet (PBUH) and his mission? The Quran says in one word: they were the capitalists – أُولِي النَّعْمَةِ (73:11). Why they were so much opposed to the Prophet (PBUH)? Because they enjoyed extraordinary privilege; they enjoyed protection of their caravans all year round in their commerce. They were أُولِي النَّعْمَةِ (73:11). All this they would lose in this new system. So, they opposed the Prophet (PBUH). They waged full scale confrontation against him and his companions. Once this confrontation reached a certain threshold then Allah told the Prophet (PBUH) to leave them at His disposal; the law of requital will take care of them. The word that has come here is ذَرْنِي. This is a very dramatic way of saying: "O Prophet (PBUH)! Your opponents will try their utmost to entangle you in extraneous issues and not let you move ahead with your constructive program; but you remain focused on your mission and do not get sidetracked." The Quran in one word "ذَرْنِي" has said everything. ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (74:11): Allah says leave this leader (who is opposing Our system) to Me. This is not the question of one individual; this is the question of the representative of a system: وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا (74:12) – When We created the leader of this selfish group, he was alone. At the time of his birth he had not brought with him any of the wealth or sources about which he is now boasting and is being

rebellious. A child born in his palace and a child born in the attached servant quarter hut near his palace – both came to the world exactly the same way; empty handed and without any clothes; neither poor nor rich. All the differences started after that and the rich person's son inherited huge wealth. We made life smooth and comfortable and provided him with all sorts of luxuries and ease. But what does he do with the wealth that We gave? He and also his progeny are working hard in opposing Us: وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (74:13).

Indulgences of the village rich kids

Dear friends! The poor remain busy working hard all day in search of their daily bread. But the rich kids sit at home all day and do not do any work. In cities at least these rich kids have many outlets (e.g., clubs, restaurants, and hotels) and many entertainment programs where they spend their time. But in villages, the children of the rich landlords sit at home with sticks in their hands, and do nothing. All the villagers are scared of them. This is the typical village life. Now, when there are so many youth doing nothing then, if anything happens in the village, these rich kids come out from their houses and create a scene. The Quran says: وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (74:13) – He has abundant wealth. He has children who do not need to do any work. His group is strong. وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (74:14) – And he is leading a smooth and comfortable life. The Quran says so far so good: there is comfortable life; there is plenty to eat and drink for everyone. But then the rat race starts. Then he becomes greedy: ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَّزِيْدَ (74:15) – and yet, he greedily desires that I give yet more! (102:1-2) اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ – then this rat-race starts that continues until grave. This is the (psychological) turning point at which capitalism starts. He wants that We keep on giving him more wealth and more power: اَّزِيْدَ (74:15) – so that he could continue to increase his opposition against the Truth; against Our universal system.

The start of capitalism

My dear friends! Listen again! ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَّزِيْدَ (74:15) – and yet, he greedily desires that I give yet more! Then the Quran says: كَلَّا (74:16) – This is not going to happen. What to say of this كَلَّا ?! What a proclamation?! Yes, there should be enough for meeting the basic needs of life. Yes, life should be comfortable. But all the wealth going to *capitalist*? كَلَّا : No, this won't be allowed. This was رَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:3). This was وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (74:7).The Quran says that all the wealth will not come to the representative of the capitalist. But he does not listen, so he will have to be stopped. Did you notice why

there were so many big battles with the Koresh? What was the reason? I have mentioned that if it was the just matter of prayer and fasting while the Prophet (PBUH) was in Mecca then what did the Koresh have to lose that they mounted such a staunch opposition against him, so much so that the Prophet (PBUH) even forced to leave Mecca and sought asylum in Medina, 300 miles from Mecca? And those days, in Arabia, being 300 miles away was as if these two places had no physical connection. But despite this the Koresh brought with them a huge army to Medina to fight the Prophet (PBUH). After all, what was driving them for all this? It was none other than the Quranic system of universal sustenance that they were so much opposed to. They were hell bent on making sure that this Quranic order does not get implemented because they knew very well that there was no place in it for either capitalism or priesthood. And the Koresh had both of these two institutions entrenched in all aspect of their lives. There was also a third element – there was no outside interference in Koresh's self-rule; thus emboldening them further in their hubris. This, then, *was* the opposition that the Prophet (PBUH) and his companions faced; and against which the Prophet (PBUH) proclaimed كَلَّآ : No, this won't be allowed: اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (74:16) – this was transgression against Our laws. And, therefore, that period of capitalism *was* ended by the Prophet (PBUH) and his companions as evidenced by history.

In essence this was confrontation between two systems

Dear friends! What was this confrontation about? This was not a confrontation between two armies. This was not a confrontation between two peoples? *This* was confrontation between two systems. Whatever has been happening with us for thousand years is the same thing that happens when *Deen* turns into religion. This is the same thing which Iqbal conveys through the mouth of *Iblis*:

I know this Ummah does not with the Quran resonate

The same old capitalism the Muslim's religion became

This was the same capitalism the Koresh were bent on preserving and about which the Quran said: كَلَّآ – No, this won't be allowed: اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (74:16) – this was a transgression against Our system. The Koresh knew very well that if this system gets established somewhere then capitalism cannot survive anywhere, because, then: وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (110:2) – people will come to this Quranic system in droves by running away from the capitalist system. This was what the Koresh were

afraid of. That is why they did not want this Quranic system to be established even in Medina, and that is the reason they pursued the Prophet (PBUH) over there as well. If we count all the battles big and small that the Koresh waged against the Prophet (PBUH) during his seven years of life in Medina, then the total comes to around 80-82. The Prophet's entire life was consumed in these battles against the Koresh; against capitalism; and against priesthood. This *was* the real battle. The revolution was entering its last phase. The Quran says: سَأُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (74:17) – There is nothing to worry. The Koresh will face such hardship in this confrontation that they cannot forget it.

Dramatic description of an event

Now, we come to the event that has been described in a very vivid manner by the Quran. What a beautiful literary style the Quran uses for this description! – The representative of capitalism comes to the Prophet (PBUH). The Prophet (PBUH) explains to him in a cordial manner: "Look my friend! I do not have any resentment against you; neither do I have any personal hostility against you. There is nothing like that. But this Quranic system is the one which we want to establish." After listening to this his reaction is captured by the Quran thus: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (74:18). What to say of the Quran my dear friends! At least learn Arabic this much to appreciate the nuances of this language. It is not a difficult language. If you have a copy of the Quran, then open it and look at these words. It said: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (74:18) – then he thought and compared the two systems and then thoroughly pondered over them. Then, he did a comparative measure of the two: وَقَدَّرَ . After due thought and deliberation, he arrived at a conclusion. What was that conclusion? The Quran leaves that for the reader to fill in.

Literary beauty of suggestiveness

Dear friends! The quality that suggestiveness brings to literature creates a unique feeling in its readers. Suggestiveness means that the message is not conveyed directly but given only in the form of symbols. It is left to the reader to fill in the blank himself for the thrill of it. For example, the great poet Ghalib shows his mastery of this in the following couplet:

Thinking of me a beggar, the security guard remained silent

But I got up and walked up to him; that was my misfortune

So, as the Quran was saying, he pondered over what the Prophet (PBUH) told him. Then he weighed both options: وَقَدَّرَ – and he tried to figure out which option is beneficial for him. The Quran says that he made his decision and then it simply says that: فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (74:19) – and thus he destroyed himself by what he decided. The entire picture is depicted by the word قُتِلَ. He decided his own self destruction. The Quran says that he decided not once but again: ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (74:20) – yea, he destroyed himself, the way he thought. And: ثُمَّ نَظَرَ (74:21) – and then he looked around: May be the Prophet (PBUH) was there or maybe it was someone else. Whoever that was, he looked at him with odious eyes, and: ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (74:22) – and then he frowned and stared and with great hubris left: ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (74:23) – and in the end he turned his back [on Our message], and huffing and puffing in his arrogance says: فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (74:24) – "All this is mere spellbinding eloquence handed down [from olden times]! إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (74:25) – This is nothing but the word of mortal man!" He thinks that what the Prophet (PBUH) is saying is wrong; that this system is from Allah – is wrong; that he is making it up himself. Saying all this, he left frowning. What to say of this, my friends! What a picture the Quran presents! It is okay he said all this and left. But Allah says: سَأُصْلِيْهِ سَقَرَ (74:26) – I shall cause him to endure hell-fire. This way he has chosen to go to hell. What a way to describe this by vivid imagery! This was the confrontation; this was the behavior of Koresh; this was the dramatic description of the event. Then the confrontation took place and it was seen how he went to hell. Then the Quran says: وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (74:27) – And what could make you conceive what hell-fire is? What is the meaning of سَقَرُ ? Dear friends! The time is over for today's lecture. We will explain this in the next lecture.

we have covered up to verse 26 of Surah *Al-Muddaththir* (الْمُدَّثِّرُ) in today's lecture. we will start with verse 27 in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆